'فرقۂ شیعہ میں حفاظ قرآن کا وجود نہیں رہا ہے'
سید العلماء نے انتہائی وسعت نظر سے
مخالفین کے اس غلط پروپگنڈہ کو
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باطل ثابت کردیا ہے

تذکرہ حفاظ شیعہ

حصّہ اوّل

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

امامیہ مشن کا تئیسواں تبلیغی رسالہ

[illegible]

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت [illegible] — تعداد ایکہزار — خرچہ ڈاک [illegible]

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ

اور

اسکی ضرورت

برادران ایمانی! آپ کے اس ترقی و تبلیغی مشن کے دفتر کیلئے سردست ایک ہال کی تعمیر کی ضرورت ہے۔ اس حقیر رقم کا فراہم کردینا دریا دلان قوم کیلئے کوئی بڑی بات نہین ہے صرف توجہ شرط ہے۔ مولا کا نام لیکر اٹھئے اور ہر ہر مقام پر اپنے حلقۂ اثر سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرکے اپنے محبوب مشن کی اس اہم ترین ضرورت کا جلد از جلد تکملہ کرادیجئے تاکہ آپکی گاڑھی کمائی کا پیسہ کسی کرایہ کی عمارت پر صرف کرنے کا موقع نہ ملے۔

اس فنڈ میں قلیل سے قلیل رقم بھی شکریہ کیساتھ وصول کیجاویگی اور تمام معطیان کے اسماء اور رقوم عطایا کا اخبارات میں اعلان ہوتا رہیگا۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

شہید انسانیت

مصنفہ

حضرت فخر المحققین سید العلماء مولانا السید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر دام ظلہ العالی

کی زبانیں شیعیت کا نام بھی زبان پر آنے کو جرم بتلاتی تھیں اور دوسری طرف خزانوں کے کھلے ہوئے منہ شفق اللہجہ طلائی اور نقرئی سکوں کی آواز سے اپنی طرف بلاتے تھے۔

بھلا ایک وہ قوم جو اپنے ابتدائی دورِ زندگی ہی میں ایک دن دو دن ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ، سال دو سال نہیں تین سو سال تک تلواروں کی چھاؤں میں رہی ہو اور جس کے مٹانے میں شام و عراق کی پوری دولت، فوجوں اور لشکروں کی تمام طاقت، شہرہ آفاق مدبر دماغوں کی ساری حیلہ گری اور سیاست صرف کی گئی ہو وہ کیا اس بات کی مستحق ہو سکتی ہے کہ اُسکا نام دفترِ وجود میں باقی رہے۔

لیکن اس کو خدا کی قدرت سمجھا جائے یا حقیقت کا زور یا ان محیر العقول انسانوں کا ثبات و استقلال کہ اس عظیم مخالفت اور طاقت ور ترین [illegible] کی مزاحمت کے باوجود اس بے دست و پا فرقہ کی تعداد [illegible] روز افزوں ہوتی گئی۔ کہاں وہ پہلا دور جبکہ اس مذہب کے [illegible] کہ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل بھی [illegible] کے افراد سے

کیا خدمات انجام دیے؟ اُن بیچاروں کو سر اُٹھانے کا موقع ہی کہاں دیا گیا کہ اُن کے علمی و مذہبی کارناموں کا جائزہ لیا جائے، لیکن ان باہمت اور دُھن کے پکّے، بلند حوصلہ افراد نے اس سوال کے جواب میں اپنی تمام مشکلات کے باوجود بھی سر نیچا ہونے کا موقع نہیں آنے دیا، تاریخی اوراق اور طبقاتِ علمیہ کے صفحات پر اُن کے علمی کارناموں کے نقش اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شیعوں کے علمی، ادبی، مذہبی خدمات کی اہمیت اُس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب اُن کے داخلی و خارجی مشکلات اور اُن کے ساتھ اہل زمانہ کے طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھا جائے، کون عالم امکان کی ایسی قوم ہے جو اس بات کا دعویٰ کر سکے کہ اُس کے افراد نے قید خانوں کے اندر پابزنجیر رہ کر، مخالفین کی برہنہ تلواروں کو اپنے سروں پر کھنچا ہوا دیکھ کر، اپنے قریب ترین اعزا اور دوستوں کو اُسی جرم تشیع کی پاداش میں قتل ہوتے ہوئے پا کر بھی علم کی خدمت سے ہاتھ نہ اُٹھایا ہو اور برسرِ حکومت اقوام کے دوش بدوش نہیں بلکہ اُن سے چند قدم آگے رہ کر اپنے کارنامۂ حیات کو جاری رکھا ہو۔

علامۃ الدہر آقا سید حسن صدر دام ظلہ کی کتاب "الشیعہ و فنون الاسلام" کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ عالم کا کوئی علم اور فن ایسا نہیں ہے جو

سب سے پہلے شیعوں نے حصہ نہ لیا ہو اور اُس میں تقدم اور رہنمائی کا سہرہ اس پامال ظلم و مخالفت قوم کے سر ہو۔

لیکن افسوس ہے کہ شیعوں کے بیشتر علمی و مذہبی کارنامے اب تک زمانہ کی بے اعتنائی اور نامساعدت کی بدولت عام نظروں سے مخفی ہیں۔

یہ دنیا کی بد مذاقی اور علم دشمنی نہیں ہے تو کیا ہے، کہ ایک اتنی بڑی مہتم بالشان اور جلیل المرتبہ قوم کے علمی احسانات کو وہ اس طرح فراموش کر دے کہ کبھی بھولے سے اُس کا نام لینا بھی جرم سمجھتی ہو۔

جرجی زیدان مسیحی کی تاریخ آداب اللغۃ العربیہ مسلمانوں کے تمام علمی خدمات اور ادبی احسانات کے احاطہ و استقصا کا دعوی کرتے ہوئے غریب شیعوں کے عظیم کارناموں سے اس طرح چشم پوشی کر جائے کہ گویا یہ قوم کبھی معرض وجود میں آئی ہی نہیں،

پندرہ سو صفحہ کی کتاب میں تین چار جگہ سے زیادہ شیعہ مصنفین کا ذکرہ نہ ہوا اور وہ بھی ایسے معمولی الفاظ میں کہ اُنکے وجود سے عدم بہتر تھا۔

اُس پر طرہ یہ کہ علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء نجفی کی توجہ دہانی

(۱) پر جواب دیا جائے، کہ ہم نے اُن مولفین کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا ہے [illegible] کے آثار باقیہ دنیا میں موجود ہیں لیکن شیعہ قوم کوئی زندہ قوم نہیں،

[illegible]ت ریحانہ تاریخ صیدا لج ۲ صفحہ ۲۷-۳۲، ۶۷-۶۸، ۷۸-۸۳۔

نہ اسکے عالم میں کچھ آثار علمیہ پائے جاتے ہیں۔ (۱)

اس کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ میں ابو العلاء معری کے اس شعر کو بار بار پڑھوں۔

النجم تستصغر الابصار صورتہ والذنب للعین لا للنجم فی صغر

لیکن درحقیقت ہم کو غیروں کی شکایت فضول ہے، خود ہماری جماعت نے اپنے آثار علمیہ کی نشر و اشاعت کو ضروری نہیں سمجھا، خدمات انجام دیے اور اتنے اہم خدمات کہ اپنے سے زیادہ تعداد، قوت ثروت رکھنے والوں پر سبقت حاصل کی مگر زیر پردہ، اسطرح کہ عالم دیدہ دلیری کے ساتھ ہمارے مساعی اور خدمات جلیلہ کا انکار کرتا رہے۔

تقیہ کے زمانہ میں تلواروں کی چھاؤں میں بسر کرنے والے اسلاف نے اپنے فرائض کو پوری جانفشانی سے انجام دیا اور شیعیت کی ایک غیر متزلزل بنیاد قائم کی مگر کھلے میدان میں تبلیغ مذہب اور نشر و اشاعت کر سکنے والے اخلاف نے موقع کو غنیمت نہ جانا اپنے پیش رو اسلاف کے نقش قدم سے علیحدہ ہٹ کر اُن کی عرق ریزی اور جانفشانیوں پر پانی پھیر دیا، نہ اپنی ہستی کو دنیا کی نظروں میں قابل وقعت بننے دیا اور نہ اپنے بزرگوں کے نام کو زندہ رکھا۔ اہلسنت قابل مبارکباد ہیں کہ اُنھوں نے اپنے آثار علمیہ کی حفاظت اور نشر و اشاعت میں کوئی

(۱) تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ صفحہ ۶

کوتاہی نہیں کی، علاوہ اُن مطابع کے جو مصر و بیروت میں ہمیشہ کتب علمیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں، مؤلفات کے ذریعہ سے اپنے پیش رو اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھتے ہیں، کاتب چلپی نے کتاب کشف الظنون میں اپنے فرقہ کے مؤلفات کی فہرست لکھکر اُن کے علمی خدمات کا جس عنوان پر احیا کیا ہے اُسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

کاش شیعوں کی بھی کوئی ایسی کتاب عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہوتی جو اُنکے آثر علمیہ کا احیا کرتی۔ میرا خیال ہے کہ آج تک ہماری ملت حقہ کے بہت سے افراد کو خود اس بات کا اندازہ نہ ہوگا کہ اُن کے ابنائے ملت کے مؤلفات اتنی تعداد میں ہیں بھی جو کشف الظنون کی تین جلدوں کی فہرست کے مقابلہ میں پیش کئے جاسکیں ؟

افسوس ہے کہ ہماری قوم کو خود اپنی ہستی اور اُس کی اہمیت کا اندازہ نہیں، کیا میرے قلم کے نکلے ہوئے یہ الفاظ حیرت و استعجاب کے ساتھ نہ دیکھے جائیں گے کہ شیعوں کے علمی مؤلفات کی فہرست جمع کی گئی تو اُن کی تعداد کشف الظنون کی تینوں جلدوں کے مندرجہ کتب سے دو چند نکلی۔

ابھی تک ناظرین کو اپنے فرقہ میں کسی ایسی کتاب کا سراغ بھی نہ ہوگا جسنے اس عظیم ذمہ داری کو انجام دیا ہو۔ لیکن یاد رہے کہ شیعی فرقہ اب بھی مجاہدین سے خالی نہیں ہے، اور اُن کے قلم اب بھی علمی خدمتوں کے لئے وقف ہیں، وہ

گوشہ نشینی میں بھی اہم ترین معلومات کے قلعوں کو آسانی سے فتح کرتے ہیں۔

اُن کے معلومات اور قلمی خدمات سے مستفید ہونا ملت خوابیدہ کا کام ہے جس کی توقع اُس سے بالکل فضول ہے۔ علامہ شیخ محسن طہرانی سامرہ کی زمین مقدس پر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اُن کی کتاب "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" جو تین ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے درحقیقت شیعی سرمایہ معلومات کا خزانہ عامرہ ہے، لیکن اب تک افرادِ قوم کی بے توجہی سے گمنام ہے۔

اگر ایران میں ناصر الدین شاہ کے زمانہ کا ساقاجاری دور ہوتا تو اب تک یہ کتاب دنیائے اسلام میں ظاہر ہو کر شیعی عظمت کا سکہ عالم میں قائم کر چکی ہوتی لیکن اب شیعی حکومتوں سے اتنی توقع نہیں کہ وہ ایسے گرانقدر سرمایہ کی اشاعت کا موقع پا سکیں۔



مخالفین کی جارحانہ کارروائیاں جن کی طرف سابق میں مختصر طور پر اشارہ کیا گیا ہے شیعوں کی ہستی کو فنا کرنے یا اُن کے علمی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کا سدباب کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں، لیکن اُن کے ضمن میں اس مقدس فرقہ کی نیکنامی اور شہرت کو اچھا خاصہ صدمہ پہونچا۔

ذاتی اغراض و مقاصد کے تحت میں شیعی فرقہ کے مذہبی روایات اور شخصی خصوصیات کے متعلق غلط بیانی، افترا پردازی، اور دروغ بافی ذلیل غرض کا

ایک طوفان تھا جو اُمنڈا چلا آرہا تھا۔ واقعات کی کتر بیونت اور حقائق کی کاٹ چھانٹ کرکے محاسن کو قبائح کی صورت میں اور مناقب کو مثالب کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا، یہ سب کیوں؟ صرف اس لئے کہ سادہ لوح افراد کی عقلوں پر پردہ پڑے، اور واقعات کی تہ تک پہونچ جانے کا امکان باقی نہ رہے۔

عام اسلامی مورخین کو بھی ہم اس جرم سے مستثنیٰ نہیں کرسکتے کہ انھوں نے تاریخی واقعات کو اصلی آنکھوں سے نہیں بلکہ تعصب کی عینک لگا کر دیکھا ہے - جس کے سبب سے تاریخی حقائق پر پردہ پڑگیا ہے کیا علامہ شہرستانی ایسے مدعی تحقیق سے یہ شکایت بیجا ہے کہ انھوں نے ملل ونحل میں شیعی رہنمایان ملت کے متعلق انصاف و دیانتداری سے کام نہیں لیا ہے، ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم ایسے مبلغین تشیع کے حالات میں تجسیم کے عقیدہ کو پوری دیدہ دلیری کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہمارے مذہبی کتب وجوامع حدیث ان بزرگان دین کے اقوال وآثار سے مملو ہیں، اُن میں سوائے حکمت آلٰہیہ اور فلسفہ شریعت اور حقائق اسلام کی صحیح تعلیمات کے ایک کلمہ بھی خلاف نظر نہیں آتا اُن کے اقوال وخیالات تمام تر انھی تعلیمات کا آئینہ ہیں جو اُن کے امام اور معلم روحانی امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کے ارشادات سے مستفاد تھیں جن سے بڑھکر صفات آلٰہیہ اور شریعت نبویہ کا عارف کوئی نہ تھا اور نہ ان بزرگ ہستیوں نے سوائے حضرت کے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ کو

تہ کیا۔ امام کی زبان سے اپنے ان ممتاز شاگردوں کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مدح وثنا کے کلمات صادر ہوئے ہیں وہ اُن تمام افترا پردازانہ خیالات کا قلع قمع کردیتے ہیں جو اُن کے متعلق معاندین کی طرف سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے خلاف واقع خیالات کا دور دورہ اُسی وقت تک تھا کہ جب ذرایع نشر واشاعت کم تھے، مطابع کا وجود نہ تھا اور شیعی فرقہ کی کتابیں لوگوں کے پیش نظر نہ تھیں بتعصب باپ دادا سے سُنی سنائی اور افواہی خبروں پر اعتماد کر کے اس قسم کے بے سروپا واقعات کو درج کردیا جاتا تھا لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ موجودہ زمانہ میں جو عصر النور روشنی کا دور کہا جاتا ہے جس میں مطابع کی برکت سے ایک ایک کتاب کے ہزاروں نسخے عالم میں منتشر ہیں۔ لیکن آج بھی عام اسلامی مؤلفین تاریخی حقائق پر رحم کھا کر صحیح واقعات کا پابند ہونے کی زحمت نہیں اُٹھاتے۔ آج بھی شیعہ فرقہ کے متعلق اس قسم کے خلاف واقع، بے اصل خیالات کی اشاعت ضروری سمجھی جاتی ہے، جنکو دیکھکر انسانیت کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہو جاتی ہے۔

افسوس اس کا ہے کہ ہم تمہید لکھنے بیٹھے ہیں خود اس موضوع پر مستقل کتاب لکھنا اس وقت مدنظر نہیں ورنہ ہم اس قسم کی کوششوں کو ذرا توضیح کے ساتھ بیان کرتے جو موجودہ زمانہ میں شیعیت کے خلاف جاری ہیں اور دکھلاتے کہ مؤلفین و کتاب عصر کی طرف سے کس طرح واقعات و حقائق مسخ

کیے جارہے ہیں اور شیعی فرقہ کی ہردلعزیزی ونیکنامی کو صدمہ پہونچایا جارہا ہے۔

مصطفیٰ رفاعی مصر کے مشہور اہل قلم اور مؤلفین میں سے ہیں۔ اُن کی کتابیں "اعجاز القرآن" اور "تحت رایۃ القرآن" اپنے موضوع میں نرالی شان رکھتی ہیں، اور قابل قدر ہیں لیکن افسوس کہ اُن میں بھی مذہبی تنگ نظری اور تاریخی ایجاد واختراع کی کافی نمائش موجود ہے۔

دوسری کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر لکھا ہے "شیعہ فرقہ کو حقائق کے اندر شک میں مزہ ملتا اور بے اطمینانی میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی صریحی آیتوں میں شک کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن کے اندر زیادتی کمی، تغیر وتبدیلی ہوئی ہے۔"

کیا شرم آنے کی بات نہیں کہ ایک ایسا شخص جو تحقیق کا علمبردار ہو، شیعوں کی طرف ایسے غلط اعتقاد کی نسبت دے جس سے اُن کو دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ مسئلہ عرصہ سے زیر بحث ہے اور شیعہ مؤلفین واہل قلم نے اسکو بخوبی حل کردیا ہے اور سب کو معلوم ہوچکا ہے کہ اگر تحریف وتبدیل کے اخبار کی جستجو کیجائے تو زیادہ تر اُن کا سرمایہ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں دستیاب ہوگا۔

اُسی کتاب کے صفحہ ۱۰۹ میں دیانتدار مصنف نے لکھا ہے "سب سے

ف؎ اس بحث کے مکمل مطالعہ کیلئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت"۔

پہلے شیخ الرافضہ ہشام بن حکم کو ابوشاکر دیصانی کی صحبت نے خراب کیا، یہ شخص ظاہر میں تو اسلام کا ادعا رکھتا تھا مگر درحقیقت کفر و زندقہ کیطرف مائل تھا۔"

تمام کتب تاریخ وحدیث کا مطالعہ کر جائیے ہشام بن حکم کو ابوشاکر دیصانی سے کون سا علاقہ ہے اور اُس کے کفر بردر خیالات کو ہشام بن الحکم ایسے امام الالٰہیین کے اقوال سے کیا واسطہ؟ کیا تاریخی وسعت معلومات کا مظاہرہ ایسے ہی من گڑھت بے سروپا بیانات سے ہو سکتا ہے؟ اسی صفحہ میں یہ لفظیں بھی نظر آتی ہیں "شیعوں کا سب سے بڑا مقصد محمد مصطفےٰ کی رسالت کا انکار اور قرآن مجید کی تکذیب اور امت اسلامیہ کے اجماع کی مخالفت ہے"

اللھم الیک المشتکی، راست گوئی وحقیقت پرستی و واقعہ نگاری کا حق اس طرح تو ادا کیا جائے! مذکورۂ بالا لفظوں کے جواب کے لئے کسی مناظر کے قلم کی ضرورت ہے، میں اس میدان میں آنے پر تیار نہیں میں تو صرف یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ عام مؤلفین وارباب تصنیف کی طرف سے شیعوں کے متعلق کیسے زہریلے خیالات کی اشاعت ہوتی رہتی ہے اور اُنکے مذہبی روایات کے بارے میں کیسی بے سروپا غلط بیانیوں، افترا پردازیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

انہی غلط خیالات میں سے جن کی اشاعت کا سلسلہ شیعیت کے خلاف شروع سے ہوتا رہا ہے، ایک وہ خیال ہے جس کی بے حقیقت شہرت

صرف ہندوستان کے اندر محدود ہے اور اس کے ذریعہ سے شیعوں کے ذاتی شرف وکمال پر دھبہ لگانے کی کوشش کیجاتی ہے۔

سوادِ اعظم اہل اسلام کے اکثر افراد اس خیال کو اپنے دل ودماغ میں جگہ دیے ہوئے ہیں کہ شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ بارہا یہ دعوی ان متعصب حلقوں کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے، اور اپنے مذاق کے موافق اس کے وجوہ بھی تراشے گئے ہیں اور صرف زبانی نہیں بلکہ بعض تحریرات میں یہ ادعا ہماری نظر سے گذرا ہے۔ اس خیال کو بحمد اللہ ہمارے فرقہ کے اکثر افراد عملی صورت سے باطل کر چکے ہیں، اور خود حفظ قرآن کر کے اس صدائے بے ہنگام کی کوئی وقعت باقی نہیں رکھی اور موجودہ زمانہ میں بھی کثیر افراد خود اس دعوی کی رد میں پیش ہو سکتے ہیں، جن کا حفظ قرآن معیار امتحان پر کامل ثابت ہو چکا ہے، مگر کہنے والے کی زبان پکڑنا کسی کا کام نہیں، باوجود متعدد تجربوں کے پھر بھی یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ "شیعوں میں حافظ قرآن نہیں ہو سکتے"۔

میرے ذہن میں عرصہ سے یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ ابتدائے عصر اسلامی سے اسوقت تک کے شیعی حفاظ قرآن کی ایک مختصر فہرست قلمبند کروں جسکے سبب سے ہمیشہ کے لیے یہ دعوی غلط ثابت ہو جائے چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں اس وقت اس موضوع پر قلم اٹھانے کیلئے

آمادہ ہو سکا۔ ناظرین اس کام کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ شیعوں کے کتب رجال و حدیث میں آج تک ایک باب بھی حفاظ قرآن کے عنوان سے قرار نہیں دیا گیا ہے، تمام تر اس موضوع میں کامیابی سیر کتب اور کتب تاریخ و حدیث و رجال کی شروع سے آخر تک ورق گردانی پر موقوف ہے۔ قبل اس کے کہ شیعہ حفاظ قرآن کی فہرست کو شروع کروں چند مفید تبصرے ہدیۂ ناظرین کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔

پہلا تبصرہ

حفظ الفاظ اور حفظ معانی

الفاظ و معانی کا ارتباط بجائے خود ایک غامض مسئلہ ہے جسکے متعلق افکار و عقول نے بہت کچھ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سلیمان بن عباد کا دعویٰ تو یہ تھا کہ لفظ ذاتاً معنی کے ساتھ ارتباط رکھتی ہے۔ یعنی قبل اسکے کہ کوئی واضع لغت "پانی" کی لفظ کو اس مخصوص سیال بارد یا تطبیع عنصر کیلئے وضع کرے "پانی" کے حروف اور اُن کی ہئیت اجتماعیہ اس معنی کی طالب تھی۔ اُس کا خیال ہے کہ معانی کے خصوصیات الفاظ میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ پانی چونکہ سیال جسم ہے اُس کے لیے جو لفظ عربی میں "ماء" پایا جاتا ہے۔ خود اس کی آواز میں بھی ایک سیالانہ کیف موجود ہے اور

پتھر چونکہ جامد ہے، اُس کی جتنی لفظیں ہیں اُن کی آواز میں ایک قسم کا انجماد پایا جاتا ہے۔ شیر کے جتنے نام ہیں خود اُن کی آواز ڈرونی اور باغ و بہار کے جتنے الفاظ ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ شگفتگی لازمی ہے۔

محققین کے نزدیک یہ خیال بالکل باور ہوا ہے۔ اگر الفاظ کے ساتھ معانی کا ارتباط ذاتی ہونے کے سبب کسی واضع کا ممنونِ احسان نہ ہوتا تو چاہیئے تھا کہ کسی مخصوص معانی رکھنے والے الفاظ سے ہر شخص کا ذہن معنیٰ کی طرف منتقل ہوجایا کرتا اور کسی لغوی تصریح اور وضع واضع پر اطلاع کی حاجت نہ ہوتی ایسی صورت میں افرادِ بشر کے درمیان زبان کا اختلاف معنی نہیں رکھتا، بلکہ ایک عربی لفظ سے کسی جاہل دیہاتی ہندوستان میں بسنے والے انسان کے اُسی طرح معنی سمجھ میں آتے جس طرح ایک عربی زبان کے فاضل متبحّر کی سمجھ میں آتے ہیں، کیونکہ اس خیال کے مطابق خود زبان سے نکلتی ہوئی آوازوں میں ذاتی طور پر ایک مقناطیسی جذب مخصوص معانی کی طرف موجود ہے، جو زبردستی ذہن کو اُن کی طرف منتقل کردیتا ہے۔ الفاظ اور معانی کے خصوصیات میں جو یک جہتی دکھلائی گئی ہے وہ بھی خطابی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اسد کی لفظ میں کونسی ڈرونی آواز ہے جو فرس بقر وغیرہ میں نہیں ہے اور جب ایک لفظ کے متعدد معنی ہوں کہ جن کے خصوصیات میں از میں و

آسمان کا تفرقہ ہے تو ایک واحد لفظ کی آواز میں کہاں تک وہ تمام خصوصیات محفوظ رہ سکتے ہیں، خصوصًا جب کہ معانی ایک دوسرے کی ضد یا نقیض ہوں، مشترک الفاظ کا عمومًا اور لغات اضداد کا وجود خصوصًا اس خیال کی کمزوری کو طشت ازبام کرنے کیلئے کافی ہے

حقیقۃً الفاظ اپنے ذاتی اعتبار سے تمام معانی کے ساتھ مساوی مناسبت رکھتے ہیں، اُن کا ارتباط مخصوص معانی کے ساتھ واضع کا رہین منت ہے بے شک جب کہ کسی مستند واضع نے لفظ کو ایک معنی کے لئے مقرر کر دیا تو اُس کے سبب سے لفظ اور معنی کے درمیان ایک خاص علاقہ مودت و اختصاص پیدا ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب لفظ کانوں میں پہونچے معانی کی طرف ذہن منتقل ہو جائیگا۔

معانی وہ عقلی مفاہیم ہیں جو خارجی یا غیر خارجی اشیاء کے لئے ذہن میں موجود ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ زبان پر لائے جائیں اور مخاطب کے کانوں تک پہونچائے جائیں اُس طرف اجتماع اور باہمی معاشرت کا اقتضا یہ ہے کہ ایک اپنے مافی الضمیر کو دوسرے تک پہونچائے، اور اُس معنی پر جو اُس کے ذہن میں ہیں مخاطب کو آگاہ کر سکے، ہاتھوں کے اشارے تمام مقاصد کو سمجھانے میں ناکافی ہیں، اسی ضرورت کے پورا کرنے کیلئے الفاظ کی وضع ہوئی ہے، جب کسی مفہوم کو مخاطب تک پہونچانا ہو تو وہ لفظیں جو اُس معنی کے لیے کسی واضع

نے مقرر کر دی ہیں زبان پر لائی جائیں۔ اگرچہ براہ راست وہ چیز جو مخاطب تک پہونچے گی لفظیں ہیں لیکن اصالۃً ذہن کی توجہ معنی کی طرف ہوگی اور وہ مفہوم جس کا پہونچانا مقصود ہو پورے طور پر واضح ہو جائے گا لہذا لفظ کی حیثیت معنی کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسے عینک کے تال کسی کتاب کے مطالعہ کے وقت کہ براہ راست جلیدیہ (آنکھ کے پردہ) سے نکل کر جو شعاع منطبق ہوتی ہے وہ عینک کے تالوں پر پہلے پڑتی ہے لیکن توجہ کا مرکز بالکل وہ نقوش ہوتے ہیں جو صفحہ کاغذ پر کھنچے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئینہ میں صورت دیکھتے وقت اُس کا صاف و شفاف شیشہ بالکل منظورِ نظر نہیں ہوتا توجہ ساری چہرہ کے خط و خال پر ہوتی ہے، باوجودیکہ آنکھ کے سامنے براہ راست شیشہ ہوا کرتا ہے۔ بالکل یہی مثال الفاظ کی ہے یعنی جو شے مخاطب کے کانوں تک پہونچتی اور اُسکے ذہن میں داخل ہوتی ہے وہ الفاظ ہیں، لیکن توجہ جو ذہن کو ہوتی ہے وہ اُس معنی کی طرف جس کو الفاظ بتلا رہے ہیں گویا الفاظ اپنے معانی کے اندر فنا کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ اُن کی ہست و بود بالکل فانی ہو کر عدم کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اگرچہ حقیقۃً وہ موجود ہیں۔

لفظ اور معنی کے اسی ارتباط کا نتیجہ ہے کہ معانی کے خصوصیات کا پرتو لفظ پر پڑتا ہے اور خوف و دہشت یا انس و لذت، تازگی و شگفتگی یا افسردگی و پژمردگی جو معانی کے اندر پائی جاتی ہے الفاظ میں بھی وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے

جس کا سبب حروف کی ترکیب اور اُن کی آواز کا اُتار چڑھاؤ نہیں بلکہ وہ معانی ہیں کہ جو اُن الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی جہت سے الفاظ کی عزت و وقعت اور بلندی اُن معانی کے سبب سے ہوتی ہے جو اُنکے تحت میں مضمر ہیں۔

دہن سے نکلتی ہوئی آواز اور زبان پر آتے ہوئے الفاظ اگر اپنے تحت میں کسی معنی کو نہیں رکھتے تو وہ مہمل ہیں جو کسی عزت کے لائق نہیں بلکہ جس شخص سے صادر ہوں وہ مجنون و سفیہ کہلائے جانیکا مستحق ہے۔

کلام اُسی وقت تک کلام ہے کہ اُس میں الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کا جنبہ بھی محفوظ ہو۔

قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ خالق انسان کا کلام ہے اُس میں یہ دونوں جنبے موجود ہیں۔ لفظ اور معنی حفظ کا تعلق انہیں سے ہر ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے الفاظ محفوظ ہوں اور معانی کی خبر نہیں یا معانی پر پوری اطلاع ہو لیکن الفاظ ازبر یاد نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں جہتوں میں اسلامی نقطۂ نظر اور عقلی و مذہبی اصول کی بنا پر کون زیادہ اہم اور کارآمد قابل وقعت و عزت ہے۔ کیا صرف الفاظ کو رٹ لینا اور اُن کو ازبر یاد کرنا درصورتیکہ معانی کی خبر نہ ہو یا خبر ہو تو مگر ان میں غور و تامل اور نتائج کے استخراج میں غفلت شعاری سے کام لیا جائے کوئی قابل قدر اور اہم صفت ہے یا یہ کہ معانی میں پورا غور و فکر کر کے اُن کے نتائج و آثار پر عبور حاصل کرنا اگرچہ الفاظ

از بریاد نہ ہوں قابل قدر اور زیادہ مستحق اہتمام ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا تدبر فی القرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته (پ ۲۳. سورۂ ص۔)	یہ وہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر (اے رسول) اسلئے نازل کی ہے کہ لوگ اسکی آیتوں میں غور و تامل کریں۔
افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً کثیراً (پ ۵ سورۂ نسا)	آخر یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو ان کو اسمیں بڑا اختلاف نظر آتا۔
افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها۔ (پ ۲۶. سورہ محمد)	یہ لوگ قرآن میں تفکر و تامل سے کام کیوں نہیں لیتے یا اُن کے دلوں پر (سچ مچ) قفل ہی لگ گئے ہیں۔
تلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (پ ا سورہ بقرہ)	یہ طرح طرح کی مثالیں ہم لوگوں کیلئے پیش کرتے ہیں اور اُن کا سمجھنا اور تعقل کرنا صرف باخبر افراد کا کام ہے۔
کذلک یبین الله لکم آیاته لعلکم تتفکرون۔ (پ ۲. سورۂ بقرہ)	خدا یونہی اپنے آیات کو تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ فکر و تامل کرو۔

کذلک یبین اللہ آیاتہ	خدا یونہی اپنے آیات لوگوں کے لئے
للناس لعلھم یتفکرون	بیان کرتا ہے۔ تاکہ وہ لوگ غور و
(پ ۳ سورۃ آل عمران)	فکر کریں۔

ایسی ہی بہت سی آیتیں ہیں جن میں غور و فکر و تامل کا حکم دیا گیا ہے جن کا تعلق معانی سے ہوا کرتا ہے لیکن ایک آیت بھی قرآن مجید میں ایسی نہ ملے گی جہاں حفظ الفاظ کی طرف توجہ دلائی گئی ہو۔

اسی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حفظ الفاظ و حفظ معانی میں کون زیادہ اہم ہے؟ یقیناً معانی کا حفظ حضرت باری کی نظر میں پوری اہمیت رکھتا ہے کہ اُس پر مختلف الفاظ میں ترغیب دلائی گئی ہے، لیکن حفظ الفاظ کی طرف توجہ نہ کی گئی۔

حفظ الفاظ کو اگر کوئی فضیلت ہو سکتی ہے تو وہ اسی حیثیت سے کہ اُس کے ذریعہ سے معانی کا استحضار زیادہ ہو، لیکن یہ غرض اُس وقت بالکل منتفی ہو جاتی ہے کہ جب الفاظ نے ذہن کو بالکل مسخر کر لیا ہو اس طرح کہ معانی کی بالکل خبر نہ ہو اور اگر خبر ہے بھی تو توجہ اُنکی طرف نہ پائی جائے۔

الفاظ ازبر اور معانی کی طرف سے چشم پوشی کسی طرح قرآن و حدیث کی رو سے قابل استحسان نہیں ہے۔ قرآن مجید ہمیشہ اپنے نقطہ نظر کو امثال کے ذریعہ سے واضح کرتا ہے۔ ولقد ضربنا للناس فی القرآن

من کل مثل " (ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لئے قرآن میں ہر قسم کی مثال ذکر کر دی ہے)

اُس نے اپنے اسی مخصوص رنگ میں ارشاد کیا ہے

مثل الذین حملوا التورٰیۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل (اسفارا رپ ۲۸ سورہ جمعہ)

مثال ان لوگوں کی جن کو توریت کا حامل بنا دیا گیا پھر وہ اُسکو برداشت نہ کر سکے اُس گدھے کی سی ہے جو کتابوں کو اپنی پشت پر لادے ہوئے ہو۔ علمائے معانی و بیان سے دریافت کرو کہ وجہ مشابہت اس آیت میں کیا ہے۔

محقق تفتازانی مطول میں لکھتے ہیں:۔

العقلی من وجہ الشبہ کحرمان الانتفاع بابلغ نافع مع تحمل التعب فی استصحابہ فی قولہ تعالیٰ مثل الذین حملوا التورٰیۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا جمع سفر بکسر السین وھو الکتاب ولا شک ان وجہ الشبہ فی

عقلی وجہ شبہ کی مثال نہایت نفع رساں شئے کی منفعت سے محروم رہنا ہو باوجود برداشت زحمت کے اُسکے ساتھ رکھنے میں اس ارشاد باری تعالیٰ میں کہ مثال اُن لوگوں کی جو توریت کے حامل بنائے گئے۔ پھر وہ اُس کو نہ اُٹھا سکے، مثال حمار کی ہے جو اسفار کو اُٹھائے ہوئے

احبار الیہود بالحمار امر عقلی منتزع من عدۃ امور لانہ روعی من الحمار فعل مخصوص ھو الحمل وان یکون المحمول شیئاً مخصوصاً وھو الاسفار التی ھی اوعیۃ العلوم وان الحمار جاھل بما فیھا وکذا فی جانب المشبہ

ہو، اسفار جمع سفر کی ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ وجہ مشابہت یہود کی حمار کے ساتھ امر عقلی ہے جو چند امور سے منتزع ہے اس لیے کہ حمار میں ایک فعل مخصوص یعنی اُٹھائے ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس بات کا لحاظ ہے کہ وہ شئے جس کو حمار نے اُٹھایا ہے کتابیں ہیں کہ جو ودیعت دار علم ہوا کرتی ہیں اور پھر یہ کہ گدھا جاہل ہے ان مطالب سے کہ جو ان کتابوں میں ہیں اور یہی صورت مشبہ (یہود) اور حمل توریت میں بھی ہے۔

آیات قرآن جو معیار قائم کردیں اُن میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں، وجہ شبہ اس آیت میں جب منقح ہوگئی تو کیا ایک ایسا شخص جو الفاظ قرآن کے حفظ میں پوری کوشش صرف کرے اور اُس میں جانفشانی و عرق ریزی کرے، دل و دماغ کو زحمت و تکلیف پہونچائے مگر اُس کے مطالب سے نفع یاب نہو، معانی کی طرف توجہ سے قاصر ابر یا زمانہ کے آخری دور میں اُس کے ادراک سے محروم رہے بہ مضمون: ”ایسی جماعت ظاہر ہوگی جن کی عمر کم

مذکورہ بالا وجہ شبہ اسمیں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اس قسم کا حفظ قرآن کوئی ممدوح وصف نہیں ہے بلکہ مستند احادیث صحیحہ میں مذمت کے موقع پر پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری صفحہ ۷۵۶، مطبوعہ کرزن پریس لاہور۔

عن ابی سعید الخدری انہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یخرج فیکم قوم تحقرون صلوٰتکم مع صلوٰتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم ویقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ینظر فی النصل فلا یری شیئا وینظر فی القدح فلا یری شیئا وینظر فی الریش فلا یری شیئا ویتماری فی الفوق۔	ابو سعید خدری ناقل ہیں کہ میں نے رسالتمآب کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ کچھ لوگ تم میں پیدا ہوں گے کہ جنکی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو اور اُن کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو اور اُن کے تمام اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو بے حقیقت سمجھو گے وہ قرآن مجید کو اس طرح رٹیں گے کہ اُن کے گلوں کے آگے نہ بڑھتا ہوگا، یعنی صرف آوازیں اُن کے گلوں میں گردش کرتی ہوں گی لیکن معانی دل تک نہ پہونچیں گے، وہ دین سے

اسطرح نکلیں گے جیسے تیر نشانہ کو توڑ کر نکلجائے۔ تیر کے پھل میں دیکھو تو شکار کے خون کا کچھ اثر نہ دکھلائی دے، تیر کی لکڑی میں دیکھو تو بھی کچھ اثر نظر نہ آئے گا، تیر کے پروں پر نظر کرو تب بھی کچھ اثر نہ معلوم ہو، اور سوفار میں بھی شک ہو کہ کچھ اثر ہے یا نہیں اسی طرح ان لوگوں کے قرآن پڑھنے کی یہ شان ہوگی کہ ان پر کوئی اثر اُس کا نہ ہوگا، اِن کے دل پر چہرہ پر، دیگر اعضا پر تلاوت قرآن کی تاثیر نہوگی۔

معلوم ہوا کہ ایسا حفظ قرآن جو صرف الفاظ تک محدود ہو اور ایسا قرأت قرآن کرنا جو معانی سے چشم پوشی کے ساتھ ہو نتیجہ بخش نہیں ہے چنانچہ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے

یعنی تنفذ السھم المرمی بحیث لم یتعلق بہ شئی ولم یظھر اثرہ فیہ فکذلک قرأتھم لا یحصل لھم منھا فائدۃ

مراد حضرت کی یہ ہے کہ تیر نشانہ سے اس طرح گذر گیا ہو کہ وہ خون سے بالکل آلودہ نہ ہوا اور اُس پر کچھ بھی اثر ظاہر نہو اسی طرح اُن لوگوں کی قرأت سے اُن کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی

ابن مسعودؓ سے نقل ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا زمانہ کے آخری دور میں ایک ایسی جماعت ظاہر ہوگی جن کی عمریں

آخر الزمان قوم احداث
الاسنان سفهاء الاحلام
يقولون من خير قول الناس
يقرأون القرآن لا يجاوز تراقيهم الخ
صحیح ابن ماجہ صفحہ ۲۰ طبع مصر

عقلیں ناقص ہوں گی۔ زبانی انکے
دعوے بڑے اچھے ہوں گے
وہ قرآن کو رٹتے ہوں گے لیکن
اسطرح کہ گلوں سے آگے بڑھنے نہ پاتا ہو۔

تیسری حدیث۔ عن ابی ذر
قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان بعدی من
امتی قوماً یقرأون القرآن
لا یجاوز حلوقھم الخ

ابو ذر غفاری سے روایت کی ہے کہ
رسالتمآب نے فرمایا کہ میرے بعد میری
امت میں ضرور ایسی جماعت آنے والی
ہے جو قرآن کو رٹتے ہوں گے اسطرح
کہ حلق سے تجاوز نہ کرے۔

چوتھی حدیث۔ عن جابر بن
عبد اللہ قال کان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بالجعرانۃ
وھو یقسم التبر والغنائم وھو
فی حجر بلال فقال رجل اعدل
یا محمد فانک لم تعدل فقال
ویلک ومن یعدل بعدی

جابر انصاری کی زبانی منقول ہے کہ
جناب رسالتمآب مقام جعرانہ میں فروکش
تھے، بلال کے دامن میں مال غنیمت
کا طلا و نقرہ تھا اور حضرت اسکو
تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے
حضرت کو نام لے کر آواز دی اور کہا
کہ عدالت سے کام لو تم نے عدالت

اذالم اعدل فقال عمر دعنی یا رسول اللہ حتی اضرب عنق ھذا المنافق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا فی اصحاب لہ یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیھم الخ

وانصاف سے کام نہیں لیا۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر میں نے عدالت نہیں کی تو میرے سوا کون ہو سکتا ہے جو عدالت کرے عمر نے عرض کیا کہ مجھ کو اجازت دیجیے اسکو قتل کر ڈالوں، حضرت نے فرمایا (نہیں) یہ ایک ایسی جماعت کے ساتھ نکلے گا جو قرآن کا ورد کرینگے اسطرح کہ گلوں سے نیچے نہ اُترے۔

پانچویں حدیث۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینشأ نشو یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیھم الخ

عبداللہ ابن عمر ناقل ہیں کہ رسالتمآب نے فرمایا ایک ایسی نئی جماعت پیدا ہوگی کہ جو قرآن کو پڑھتے ہوں گے اسطرح سے کہ اُنکے گلوں کے آگے نہ بڑھے

چھٹی حدیث۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج قوم فی آخر الزمان او فی ھذہ الامۃ یقرأون القرآن لا یجاوز تراقیھم او حلوقھم الخ (ابن ماجہ صفحہ ۳۸)

انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا ایک جماعت آخری دور میں یا اس امت میں ایسی ظاہر ہوگی کہ جو قرآن کا ورد کرتے ہوں گے اسطرح کہ انکے گلوں سے نیچے نہ اُترے۔

اس قسم کے احادیث کا تعلق اگرچہ خوارج نہروان کے ساتھ ہے اور
انھی کے اوصاف کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے، لیکن ہم اس بات کو
دکھلانا چاہتے تھے کہ قرآن کا حفظ اس طرح سے کہ وہ الفاظ تک محدود ہے
اور معانی کا اثر نفس پر نہ پڑے مذہبی نقطۂ نظر سے کوئی قابل مدح صفت نہیں
ہے بلکہ مذمت کے موقع پر ذکر کا مستحق ہے اور یہ امر مذکورۂ بالا احادیث سے
صاف ظاہر ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت و قرأت
اور اُسکے فوائد

الفاظ و معانی کے مخصوص ارتباط کا فلسفہ جو سابق میں بیان کیا جا چکا ہے
اس پر نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی مزاولت اور اُس پر تکرار نظر کے جتنے فوائد
ہو سکتے ہیں اُن کا تعلق معانی کے ساتھ الفاظ سے زیادہ ہے۔ وہ اصولی
فوائد و غایات جن کا حصول قرآن مجید کے مذاکرہ اور مطالعہ سے ہو سکتا ہے
اُن کو سلسلہ وار لکھکر ہم دکھلا دیں گے کہ اُن کے اندر الفاظ کو زیادہ دخل
حاصل ہے یا معانی کو؟

پہلا فائدہ۔ ہر پیغمبر کے صدق کا ثبوت معجزہ پر موقوف ہے، یہی وہ شئے ہے
جو سچائی کی کسوٹی اور حقانیت کا معیار ہے ورنہ زبان سے تو انا اللہ کہدنے

والے بھی نہیں جھجکتے ، نبوت کا دعویٰ کونسا مشکل ہے لیکن معجزہ وہ ہے جو حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے اور اُس کے باعث سے غلط بیان یاوہ گو مدعیان نبوت کی زبان بندی ہو جاتی اور اُن کے دہنوں میں قفل لگ جاتے ہیں۔

مبدأ عالم سے جتنے انبیاء گذرے اُن کا معجزہ وقتی تھا اور اُسی عہد کے اشخاص سے سر تسلیم خم کرانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اسی وجہ سے اُس ورق کے پلٹنے کے ساتھ اُن کی نبوتیں بھی افسانۂ ماضی بنگئیں، اگر قرآن و حدیث کی گواہیوں نے ہم کو اُن انبیاء کے صدق کا یقین نہ دلایا ہوتا تو ہم کو اُن کی نبوت کے صحیح تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور اسی وجہ سے عیسائی عاجز ہیں کہ وہ موسوی قوم کے سامنے اپنے مسیح کی نبوت کو ثابت کر سکیں کیونکہ اُن کے پاس اپنے دعویٰ کا ثبوت سوائے مشتبہ اور غیر یقینی قصوں ، حکایتوں کے کچھ بھی نہیں موجود ہے

اور اسی کے نتیجہ میں دیکھو کہ جن اشخاص کے متعلق اسلامی نصوص نے نبوت کی گواہی نہیں دی ہے، اُن کی نبوت مشتبہ صورت میں باقی رہی اور دنیا کی کوئی طاقت اُن کو صحیح ثابت نہیں کر سکتی۔

رہی اٹکل بازیوں اور تخمینی خیال آرائیوں کی بات دوسری ہے۔ سکندر ذو القرنین ہوں یا زردشت حکیم یا ہندوستان کے قدیمی دیوتا جنکی قدامت اور بزرگی کی حکایتیں بڑے شد و مد سے نقل کیجاتی ہیں لیکن انکی اصطلاحی نبوت بے اساس احتمالات و تخیلات کے احاطہ سے نکل کر کبھی

یقینیات کے دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی"۔

یہ رسول اسلام کی خصوصیت تھی کہ خداوند عالم کی جانب سے آپ کو جہاں وہ ہزاروں معجزات عطا ہوئے جو انبیائے سابقین کے معجزات کی طرح وقتی حیثیت رکھتے تھے۔ اُن کے علاوہ سب سے روشن اور حیرت انگیز معجزہ (قرآن) عطا ہوا ہے جو ایک مخصوص وقت پر بول کر ساکت ہو جانے والا گواہ نہیں اور نہ ایک دفعہ روشن ہوکر خاموش ہوجانے والا چراغ ہے بلکہ وہ بقاء و دوام اور ابدی حیثیت کا مالک ہے اور ہمیشہ خاتم الانبیاء کی نبوت پر روشنی ڈالنے کیلئے موجود ہے۔

اُس کے ذریعہ سے ہر عہد میں منکر رسالت پر حُجّت خدا تمام اور حقانیت کا چراغ پوری جلوہ آرائی کے ساتھ روشن ہے لہٰذا یہ کتاب ایسی ہے جس پر اطلاع حاصل کرنے سے نبوت و رسالتمآبؐ تقلیدی دائرہ سے نکل کر تحقیقی حدود میں آجاتی ہے اور ایمان بالرسول کی روح تازہ ہوتی رہتی ہے۔

یہ بہت بڑا قرآن کا فائدہ ہے جس پر اسلامی حقائق کی بنیاد اور اخروی نجات کا دارومدار ہے۔ سطحی نظروں سے دیکھنے پر شبہ ہوسکتا ہے کہ اس فائدہ کا تعلق معانی سے نہیں بلکہ الفاظ کے ساتھ ہے۔ لیکن تھوڑے سے تامل کے بعد یہ امر یقینی ہوجاتا ہے کہ صرف الفاظ سے یہ فائدہ قطعی حاصل نہیں ہوسکتا۔

بعض مستشرقین اہلِ مغرب کا خیال ضرور ہے کہ الفاظ قرآن میں ایک موسیقی آمیز اور ترنم خیز کیفیت پائی جاتی ہے اور وہی اُس کے اندر مقناطیسی کشش پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے لیکن یہ خیال مضحکہ خیز اور درحقیقت قرآن کی اعجازی طاقت کے مقابلہ میں اپنی شکست کا اعتراف ہی، اعجاز قرآن کا تعلق اُن وجوہ فصاحت اور لطائف ترتیب و نظم کلام سے ہے جن کو آیات قرآن اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں اور اس بنا پر یہ فائدہ مخصوص ہے اُنہی افراد سے جو معانی قرآن اور اُن کے ارتباط و انتظام اور انہی کے اعتبار سے الفاظ کی مناسبت و تسلسل کا اندازہ کرنے کی صلاحیت رکھیں۔

صرف الفاظ شناس اور حروف آشنا شخص کے لئے اس سے بہرہ یاب ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، بلکہ محققین نے یہ طے کیا ہے کہ معانی سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو کسی کلام میں کوئی فضیلت و حسن پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور نہ ایک کلام کو دوسرے پر کوئی امتیاز و فوقیت حاصل ہے بلکہ تفرقہ و امتیاز دو کلاموں میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے وہ الفاظ و معانی کی اجتماعی حیثیت سے۔

جب فضیلت و امتیاز اور بلاغت کلام معانی سے وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہی فضیلت و بلاغت بڑھتے بڑھتے قرآن میں روح اعجاز بن گئی ہے لہذا اعجاز بھی معانی ہی سے وابستہ ہوسکتا ہے۔

علامہ عبدالقاہر جرجانی اپنی کتاب دلائل الاعجاز صفحہ ۳۰ میں اس امر کے اثبات میں کہ اعجاز اور فضیلت کا نشو و نما معانی سے ہوتا ہے نہ صرف الفاظ سے رقمطراز ہیں:-

هل تشك اذا فكرت فی قوله تعالی (وقیل یا ارض ابلعی ماءك ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین) فتجلی لك منها الاعجاز وبهرك الذی تری وتسمع انك لم تجد ما وجدت من المزیة الظاهرة والفضیلة القاهرة الا لامر یرجع الی ارتباط هذه الكلم بعضها ببعض وان لم یعرض لها الحسن والشرف الا من حیث لاقت الاولی بالثانیة

جب اس آیت میں غور کرو کہ "کہا گیا اے زمین نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تو صاف ہو جا اور پانی تہ نشین کر دیا گیا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور کشتی نوح کوہ جودی پر ٹھہری اور کہا گیا کہ رحمت خدا سے دوری ہو ظالم گروہ کیلئے" اور تمھارے سامنے اس آیت سے شان اعجاز ہویدا ہوئی اور بلاغت کے جلوہ آرا منظر نے محو حیرت بنا دیا تو کیا اس بات میں شک ہو سکتا ہے کہ یہ کھلی ہوئی خصوصیت اور ہمت شکن فضیلت جو اس کلام میں تمکو دکھائی دی ہے یہ نہیں ہے مگر ایسی جہت سے کہ جو ایک کلمہ کے

والثالثة بالرابعة وهكذا
الى ان تستقربها الى آخرها و
ان الفضل نتائج ما بينها وحصل
من مجموعها انها تشكلت فتامل
هل ترى لفظة منها بحيث لو اخذت
من بين اخواتها وافردت
لادّت من الفصاحة ما تؤدّيه
وهي في مكانها من الآية قل
(ابلعي) واعتبرها وحدها
من غير ان تنظر الى ما قبلها
والى ما بعدها وكذلك فاعتبر
سائر ما يليها وكيف بالشك في
ذلك ومعلوم ان مبدأ
العظمة في ان نوديت الارض
ثم امرت ثم ان كان النداء
بيا دون اي نحو يا ايتها الارض
ثم اضافة الماء الى الكاف دون

دوسرے کلمہ کے ساتھ ربط سے تعلق
رکھتی ہے اور یہ خوبی و شرف نہیں پیدا
ہوا ہے مگر اس لحاظ سے کہ پہلا کلمہ
دوسرے کلمہ سے اور دوسرا تیسرے
سے اور تیسرا چوتھے سے۔ اسی طرح آخر
آیت تک دست و گریباں ہے۔ اور
اسی زبردست تسلسل اور جوڑ کے اندر
فضیلت کی پیدائش ہوتی ہے۔ اچھا
اگر اس میں شک ہو تو یوں سمجھو کہ کیا ان میں
سے کوئی لفظ بھی ایسی ہے کہ اگر اپنی
ہمسایہ لفظوں کے پاس سے ہٹالی جائے
اور تنہا کر دی جائے تو وہ اسی طرح
فصاحت کے حق کو ادا کر دے گی جسطرح
وہ اپنی جگہ پہ رہتے ہوئے ادا کر رہی
ہے جیسے (ابلعی) اور صرف اسی لفظ پر
نگاہ ڈالو بغیر اس کے کہ اس کے قبل و
بعد کے الفاظ پر نظر کرو۔ اسی طرح دیگر

ان يقال ابلعي الماء ثم ان اتبع
نداء الارض وامرها بما هو
من شانها نداء السماء وامرها
كذلك بما يخصها ثم ان قيل
وغيض الماء فجاء الفعل
على صيغة فعل الدالة على
انه لم يغض الا بامر آمر و
قدرة قادر ثم تاكيد
ذلك وتقريره بقوله تعالى
(وقضى الامر) ثم ذكر ما هو
فائدة هذه الامور
وهو (استوت على الجودي)
ثم اضمار السفينة قبل
الذكر كما هو شرط الفخامة
والدلالة على عظم الشان
ثم مقابلة قيل في الخاتمة
بقيل في الفاتحة افترى لشي

بعد والی لفظوں کی تہا تہا دیکھو تو کیا ا
کچھ بھی فصاحت باقی رہتی ہے؟ ایک
بات ہے کہ جو کچھ عظمت اس کلام میں
ہوئی ہے وہ اس بات سے ہے کہ
زمین کو آواز دی گئی (جو آنے والے حکم
کی اہمیت کو بتلا کر زمین کو تو نہیں لیکن
سننے والے کو ہمہ تن گوش بنا لیتی ہے
پھر اس کو حکم دیا گیا (جسمیں ارادہ تکوین
کو تشریعی لباس میں امر کن کا نمونہ بنا کر
پیش کیا گیا ہے اور اس میں نافرمانی اور
خلاف ورزی کی گنجائش نہیں) پھر یہ کہ
ندا حرف یا کے ساتھ ہوئی۔ ندای کیسا
جیسے یا ایتھا الارض رکیونکہ اس دور
عبارت میں کلام کی بے ساختگی کو ایک
غیر معمولی دھچکا لگتا ہے اور تمام طبقات
ارض کو شخص واحد فرض کر کے اسکے
نام کو علم کی صورت میں پیش کرنے کی

من هذه الخصائص التی
تملأک بالاعجاز روعة و
تحفزک عند تصورها
حسیة تحیط بالعقل من
اقطارها تعلقا باللفظ من
حیث هو صوت مسموع و
حروف تتوالی فی النطق ام کل
ذلک لما بین معانی الالفاظ
من الاتساق العجیب فقد
اتضح اذن اتضاحا لا یدع
للشک مجالا ان الالفاظ لا
تتفاضل من حیث هی الفاظ
مجردة ولا من حیث هی کلم
مفردة وان الالفاظ تثبت
لها الفضیلة وخلافها فی ملائمة
معنی اللفظة لمعنی التی تلیها او
ما اشبه ذلک مما لا تعلق له

غرض بھی فوت ہوتی ہے) پھر ارض کی لفظ
کو ضمیر کاف کی طرف مضاف کیا گیا نہ
یہ کہ کہا جائے ابلعی الماء (جس سے
اس امر کی طرف ضمنی اشارہ ہو گیا کہ زمین
ہی کا حق ہے کہ وہ اُس پانی کو جذب
کرے کیونکہ وہ زمین ہی سے اُبلا ہوا
ہے اور کل شئی یرجع الی اصلہ
کے مشہور فلسفہ پر بھی روشنی پڑ گئی)
پھر یہ کہ زمین کی ندا اور اُس کے شایان
شان حکم دینے کے بعد آسمان کو ندا کی گئی
اور اُس کو بھی ویسا ہی حکم دیا گیا جو اُس سے
تعلق رکھتا تھا (یعنی یہ کہ وہ اپنے اوپر
چھائے ہوئے بادلوں کی جھنگیری کو
کھولدے اور اس طرح وہ بارش کا سلسلہ
جس نے عالم عنصریات کو غرق آب
کر دیا ہے منقطع ہو جائے) پھر کہا گیا وغیض
الماء (جو درحقیقت سابقہ احکام کے

بصرائح اللفظ۔ نفاذ امر اور اُن کے نتیجہ کا اعلان ہے)

(دلائل الاعجاز مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱) اور فعل مجہول لایا گیا جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ پانی جو تہ نشین ہوا وہ ایک حاکم کے حکم اور قادر ہستی کی قدرت سے (نہ خود بخود)

پھر اُس کی تاکید کی گئی قول خدا (وقضی الامر) کے ساتھ (اور اس طرح عذاب سے

ہلاک شدہ اقوام کے آخری انجام کو مختصر سے جملہ میں بیان کرتے ہوئے الٰہی سلطنت

کے پُر زور ارادہ اور اُسکی وسیع طاقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) پھر ان سب باتوں

سے جو فائدہ اور حقیقی غایت تھی اُس کو "واستوت علی الجودی" کہکر ظاہر کیا گیا۔

(اور یہ دکھلا دیا گیا کہ عذاب عظیم کے عالمگیر مصائب سے کس طرح خدا کے مخصوص

بندے نجات پا جاتے ہیں) پھر سفینہ (کشتی نوح) کی طرف اُس کا تذکرہ کیے بغیر ضمیر

پھیری گئی جو عظمت شان کی مظہر ہے (یعنی موقع کی اہمیت درنہ اُکت کو دیکھتے ہوئے

مخاطب کے ذہن میں اُس کشتی کا خیال ہونا ضروری ہے اور وہ اس کی مستحق ہے

کہ اُس کا اشارہ سنتے ہی ذہن اُس کی طرف منتقل ہو جائے) پھر ابتدائے کلام میں جو

قیل کی لفظ تھی اُسکی موافقت میں خاتمہ کے اندر بھی لفظ قیل کا اعادہ کیا گیا۔

(وقیل بعدا للقوم الظالمین) کیا یہ خصوصیات جو اپنی اعجازی شان سے دہشت

میں ڈال دیتے ہیں اور اُن کے تصور سے ایسی ہیبت ہوتی ہے جو نفس کو تمام اطراف

سے گھیر لیتی ہے۔ اُن کو کچھ تعلق الفاظ کی اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ وہ دہن سے

نکلتی ہوئی آواز ہے جو گوش گذار ہوتی ہے اور حروف ہیں جو بات کرنے میں پہلو بہ پہلو

موجود ہوتے ہیں؟ یا ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب اُس بے مثل اور عجیب و غریب انتظام و تسلسل کا نتیجہ ہے جو اُن الفاظ کے معانی میں ودیعت ہے؟ یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ شک کی گنجائش نہیں کہ الفاظ میں امتیاز و تفوق صرف الفاظ ہونے کی حیثیت سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ الفاظ کی بلندی اور رفعت اُس پیچیدگی اور ارتباط کا نتیجہ ہے جو اُن الفاظ کے معانی میں پایا جاتا ہے یا اور ایسے ہی خصوصیات کا جو تنہا الفاظ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے ہیں"۔

ہم نے یہ پورا کلام باوجود غیر معمولی طول رکھنے کے اسی جہت سے نقل کر دیا کہ اُس کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ اعجاز قرآن کا تعلق معانی کے ساتھ ہے، صرف الفاظ کے ساتھ نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ

قرآن مجید اسلامی قوانین و احکام کا مجموعہ ہے۔ اسلیے اسمیں ہدایات موجود ہیں جن پر عمل کرنا انسانی فلاح و نجاح کا ذمہ دار ہے۔ اُس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایسے سبق ہیں جن پر عمل پیرا ہونا جامعۂ بشری کی حقیقی ترقی اور صحیح شیرازہ بندی کا ضامن ہے۔ اُس نے عبادات، معاملات، حدود، دیات، مواریث، عقود، فرائض شخصی اور معاشرت باہمی، کسی شعبہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اور ہر ایک کی نسبت جزئی یا کلی، اجمالی یا تفصیلی بیانات موجود ہیں۔

اسلیے ایک انسان حقائق قرآنی کی معرفت کے ساتھ صحیح معنی میں

انسان بن سکتا ہے۔ لیکن یہ اُسی وقت سے جب قرآن مجید کے معانی پر
اطلاع حاصل کرے اور اُسکے مطالب سے باخبر ہو۔
زبان سے اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الخ
اور ان کنتم جنبا فاطھروا الخ اور ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین
کتابا الخ اور کتب علیکم الصیام اور للہ علی الناس حج البیت اور اٰتوا
الزکوٰۃ کہنے والا اور اسے ازبریاد کرلینے والا وضو۔ غسل۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔
زکوٰۃ کے مسائل سے واقف نہیں ہوسکتا اور نہ لا تاکلوا اموالکم بینکم
بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور احل اللہ البیع
وحرم الربوا اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورباع اور
اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن کے الفاظ کو محفوظ کرنیوالا
تجارت بیع۔ ربوا۔ نکاح۔ طلاق۔ کے احکام پر مطلع سمجھا جاسکتا ہے۔
اور نہ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ اور الاذن بالاذن
والسن بالسن اور یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل
حظ الانثیین وغیرہ آیات کا ورد کرنے والا قصاص۔ دیات اور میراث
کے مسائل پر عامل بننے کا مدعی ہوسکتا ہے۔ اور نہ اصلحوا ذات بینکم
لا تنابزوا بالالقاب۔ لا یغتب بعضکم بعضا۔ انما المومنون
اخوۃ۔ الفتنۃ اشد من القتل لا تفسدوا فی الارض وغیرہ

آیات کو بڑی کوشش سے رٹنے والا اور حفظ کرنے والا اُن تمدنی و اجتماعی تعلیمات سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان آیات میں مضمر ہیں۔ یقیناً اس فائدہ کا تمام تر انحصار ان آیات کے معانی سمجھنے اور اُن کے محفوظ رکھنے کے اوپر ہے اور اُس کا صرف الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا فائدہ قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات اور انبیائے سلف کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس غرض سے کہ اُمت اُن سے سبق لے اور عبرت حاصل کرے جیسا کہ ارشاد ہوا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون "ان کے سامنے واقعات و حالات کا تذکرہ کرو تاکہ یہ غور و فکر سے کام لیں" لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب "اُن کے قصوں میں صاحبان عقل کے لیے سبق ہیں۔" وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمؤمنین "ہر ایک بات جو انبیاء کے واقعات میں سے ہم تمھارے سامنے پیش کرتے ہیں وہ ایسی ہی ہے کہ جس کے ذریعہ سے تمھارے دل کو اطمینان حاصل ہو اور اسی کے ذیل میں تمھاری جانب حق کی تبلیغ ہوتی اور مومنین کے لیے نصیحتیں اور یادداشتیں پیش کیجاتی ہیں۔"

لیکن یہ فائدہ سورۂ قصص کو ازبر یاد کرنے اور سورۂ یوسف کے زبانی

حفظ کرنے اور سورہ ھود کے بخوبی رٹنے اور سورہ شعراء کے مکرر سہ کرر ورد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا جبکہ معانی اُن کے غیر مفہوم اور نامعلوم ہوں بلکہ ضرورت ہے کہ اُن تمام سوروں اور آیتوں کے معانی سمجھے اور محفوظ کیے جائیں جنہیں ان واقعات کا تذکرہ ہے اور اسی وقت یہ غرض و مقصد پورا ہو سکتا ہے لہٰذا اس فائدہ کا تعلق بھی معانی کے ساتھ ہے، الفاظ کیساتھ نہیں ہے

چوتھا فائدہ قرآن مجید میں وعدہ وعید کا باب خاص طور سے تحریک عمل کے لیے ہے اور اُس کا مقصد یہ ہے کہ ثواب آخرت کے مژدے جو عمل نیک کا ثمرہ اور عقاب اُخروی کے تذکرے جو بداعمالی کا نتیجہ ہیں انسانی طبائع میں جذبہ و مد پیدا کر کے اطاعت سے قریب اور معصیت سے دور کریں لیکن یہ فائدہ صرف الفاظ سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ معانی کے سمجھنے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں فائدہ اصول عقائد تمامتر عقل پر مبنی ہیں اور عقلی دلائل وہ ہیں جو توحید و نبوت کے عمیق مسائل میں انسان کے راہنما ہیں لیکن اوہام اور وساوس نفسانی اکثر عقلی ادراکات پر پردہ ڈالکر اُس کو ضلالت و گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

انبیاء و مرسلین کے ہدایات اُن عقلی ادراکات کے آئینہ پر سے توہمات کا غبار ہٹا کر اسکو جلا کرتے اور عقل کو ہوشیار و بیدار کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اسی حیثیت سے معارف دینیہ و عقائد مذہبیہ کے اوپر ایسے مضبوط عقلی دلائل کا بھی تذکرہ ہے جن سے ایک الہامی و ربانی علم کلام کی تدوین ہوتی ہے۔ ان آیات پر غور کرنے سے عقل انسانی بیدار ہوتی اور خود اپنے اُن جواہر ریزوں سے باخبر ہوتی ہے جنکو اوہام و شکوک کے خاشاک نے غبار آلود یا مدفون کر دیئے ہیں لیکن یہ فائدہ تو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب قرآن مجید کے معانی کو صحیح غور و خوض کے ساتھ دیکھا جائے۔ نہ یہ کہ اُس کے الفاظ کو رٹ کر اسکے آیات کو محفوظ کیا جائے۔

چھٹا فائدہ قرآن نے بہت سے اُن تاریخی حقائق کو اُن کے اصلی خط و خال کے ساتھ پیش کیا جن کو یہود و نصاریٰ کی دستبرد اور کتر بیونت نے توریت و انجیل اور اُن کے ملحقہ کتب و رسائل میں مسخ کر کے غلط صورت سے پیش کر دیا تھا اور جن سے انبیاء کے دامن عصمت اور اُنکی پاکیزگی کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کے ساتھ گمراہی کا اچھا خاصہ ذخیرہ مہیا ہو گیا تھا۔ قرآن نے اُن صحیح واقعات کو پیش کر کے اُن غلطیوں کا استیصال کیا اور حقیقت کو واضح کیا اور اس طرح تاریخی تحقیقات کے اہم فرض کو انجام دیا۔ لیکن اس سے فائدہ جبھی تو اٹھایا جا سکتا ہے جب انسان اُن آیات کو سمجھنے کی بھی کوشش کرے۔ جو صرف ان کے الفاظ کو زبانی یاد کر لینا اسی فائدہ کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔

ساتواں فائدہ اسلامی احکام کا بہت سا ذخیرہ احادیث میں بھی موجود ہے جن سے صحت سند اور معتبر ہونے کی شرط کے ساتھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور اُن کے اوپر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن احادیث میں راویوں کی بھول چوک باکثرت ہونے نے اکثر جگہ تعارض اور اختلاف کی صورت پیدا کر دی ہے جس کے لیے کتاب خدا حکم قرار دی گئی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ حدیثوں کو کتاب خدا کے اوپر پیش کرو۔ جو اُس کے عمومات و اطلاقات کے موافق نکلے اُس کو لے لو اور جو مخالف ہو اُسے ترک کر دو لیکن اس عظیم مقصد کے لیے فائدہ اٹھانے کا حق اُن ہی لوگوں کو ہے جو قرآن مجید کے عمومات و خصوصات۔ مطلقات و مقیدات پر حاوی اور اُن کے معانی پر عبور رکھتے ہوں صرف الفاظ کے رٹنے میں اپنی ہستی کو فنا کرنے والے افراد کبھی اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔

آٹھواں فائدہ قرآنی آیات میں اسرار قدرت اور رموز عالم طبیعت کے متعلق وہ عظیم دنیائے معلومات ہے، جس کے طے کرنے میں بڑے سے بڑے فلسفی اور ماہر علوم طبعیات کے قدم بھی عاجز ہیں لیکن کیا نتیجہ اُس وقت جب الفاظ کے حفظ میں معانی کی خبر نہ رہے اور مطالب سے مطلب نہ رکھا گیا ہو۔

نواں فائدہ عربی ایک مقتدر اور وسیع الاحاطہ زبان ہے جس میں

گرانقدر علمی خزانے اور گنجینے مضمر ہیں اور اس لیے عربی علم ادب دنیا کے تحقیقاتی معلومات کا ایک خزانۂ عامرہ ہے جس سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور اس خزانہ کا سب سے بڑا دروازہ قرآن مجید ہے۔

اس لیے معانی۔ بیان۔ لغت نحو تصریف۔ اور دیگر فنون بلاغت میں قرآنی آیات کے شواہد کا وسیع ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن رحم کے قابل ہیں ایسے اشخاص جو اپنی عمر کا بڑا حصہ قرآن مجید کے اوپر صرف کر دیں مگر وہ اُسکے لفظی حفظ تک محدود رہے۔ اور اُس کے ودیعت شدہ محاسن اور خصوصیات و شواہد سے محروم ہی رہے ہوں۔

دسواں فائدہ قرآن مجید کے دل ہلا دینے والے مواعظ۔ خوف الٰہی سے دل کو معمور کر دینے والے انسانی بنیاد ہستی کو لرزہ براندام کر دینے والے۔ غرور ہستی کے سر کو پاش پاش کر دینے والے تزکیۂ نفس کا باعث اور تقاضائے روحانی کا سبب مگر اُسی وقت جب فکر و نظر نے معانی کو سمجھا، اور اُس سے اثر لیا ہو اور صرف الفاظ میں اپنے تئیں اُلجھا نہ دیا ہو۔

اس بیان سے ہمارے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جتنے فوائد قرآن مجید کے متصور ہو سکتے ہیں وہ سب اُس کے معانی ہی کی فہم و اطلاع سے وابستہ ہیں۔ دنیا والے کہ جو صرف اُس کے الفاظ کے حفظ کرنے میں اپنی عمر کے بڑے حصہ کو تلف کر دیتے ہیں وہ کسی طرح ان فوائد سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔

سلف صالحین اور صدر اسلام کے اکابر ملت نے اس روّیہ کے اوپر افسوس کیا ہے اور قرآن مجید کے اہم پہلو یعنی تدبّر و عمل سے کنارہ کشی کے ساتھ اس کے غیر اہم پہلو یعنی حفظ قرآن میں پوری توجہ و انہماک پر اپنے رنج و صدمہ کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو سید مرتضیٰ زبیدی شارح قاموس کی کتاب اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۴۷۷

اخرج الخطیب فی کتاب الاقتضاء من روایۃ عبد الصمد بن یزید قال سمعت الفضیل یقول انما نزل القرآن لیعمل به فاتخذ الناس قرأته عملا قال قیل کیف العمل به قال ای لیحلوا حلاله ویحرموا حرامه ویأتمروا باوامره وینتهوا عن نواهیه ویقفوا عند عجائبه

"فضیل کا قول ہے کہ قرآن نازل ہوا تھا اس لیے کہ اس پر عمل کیا جائے لیکن لوگوں نے اس کے حفظ کرنے کو عمل کا قائم مقام بنا لیا۔ کسی نے پوچھا اس پر عمل کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حلال کو حلال سمجھیں اس کے حرام کو حرام سمجھیں، اس کے احکام کو بجا لائیں۔ اور اس کے ممنوعات کو ترک کریں، اس کے عجیب اسرار و رموز پر غور و خوض کے لیے توقف کریں۔"

ص ۴۲۳ - ۴۲۴ میں ہے۔

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما عشنا	حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ایک
برھۃ من الدھر وان احدنا	زمانہ تھا کہ ہم لوگ (صحابہ) ایمان کو حاصل
یؤتی الایمان قبل القرآن وتنزل	کرتے تھے قبل اس کے کہ قرآن کو حفظ کریں
السورۃ فیعلم حلالھا وحرامھا	اور سورہ نازل ہوتا تھا تو ہم لوگ اسکے
وامرھا وزاجرھا وما ینبغی ان	حلال حرام امر نہی قابل غور مشکلات
یتوقف عندہ منھا ولقد	کی معرفت حاصل کر لیتے تھے (حفظ کو
رأیت رجالا یؤتی احدھم	چنداں اہم نہ سمجھتے تھے) لیکن اب تو
القرآن قبل الایمان فیقرأ ما	اکثر اشخاص نظر آتے ہیں جنھیں قرآن حفظ
بین فاتحۃ الکتاب الی خاتمتہ	ہوجاتا ہے مگر ایمان کا پتہ نہیں ہے وہ
لا یدری ما آمرہ ولا زاجرہ	شروع سے لیکر آخر تک قرآن حفظ
وما ینبغی ان یقف عندہ	کر ڈالتے ہیں مگر انھیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ
فینثرہ نثر الدقل ۔	کون آیات حکم پر مشتمل ہیں اور کون ممانعت

پر۔ کن آیات میں توقف کی ضرورت ہے۔ وہ قرآن کو اس طرح بکھیر دیتے ہیں جیسے خراب خشک خرمے بکھیر دئے جاتے ہیں۔

عراقی نے کہا ہے کہ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والحاکم فی المستدرک من روایۃ قاسم بن عوف الشیبانی قال سمعت ابن عمر یقول:۔ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے مستدرک

میں قاسم بن عوف شیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا
میں نے عبداللہ بن عمر کو فرماتے سُنا۔

قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین ولا اعرف لہ علۃ ولم یخرجاہ

وہ حاکم نے کہا ہے کہ یہ شیخین یعنی بخاری اور مسلم کے معیار پر صحیح روایت ہے میں
اس میں کوئی علت نہیں پاتا جسکی وجہ سے شیخین نے اسکو ترک کیا ہو"۔

واخرج ابن جریر فی تفسیرہ عن حذیفۃ بن الیمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ان فی امتہ قوما یقرأون القرآن ینثرونہ نثر الدقل یتأولونہ علی غیر تاویلہ لایجاوز تراقیھم تسبق قرأتھم ایمانھم۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے کہ حضرت نے ذکر فرمایا کہ آپ کی امت میں ایک ایسی جماعت ہوگی جو قرآن کو حفظ کرے گی۔ وہ قرآن کو اس طرح بکھرائیں گے جیسے خراب خشک خرمے بکھرائے جاتے ہیں۔ وہ اس کو غلط معنی پہنائیںگے۔ قرآن اُن کے گلوں سے آگے نہ بڑھے گا۔ انھیں قرآن حفظ ہوگا۔ بغیر اسکے کہ ایمان حاصل ہو۔

وفی خبر اٰخر عبل معناہ کنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوتینا الایمان

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم اصحاب رسول ایمان کے درجہ کو حاصل کرتے تھے قبل اس کے کہ حفظ قرآن کی کوشش کریں

قبل القرآن وسيأتي بعدكم
قوم يؤتون القرآن قبل الإيمان
ويقيمون حروفه ويضيعون
حدوده ويقولون قرأنا
القرآن فمن أقرأ منا وعلمنا
فمن أعلم منا فذلك حظهم
منه — وفي لفظ آخر أولئك
شرار هذه الأمة
هكذا أورده صاحب القوت

لیکن آئندہ ایسے لوگ آنے والے ہیں جو
حفظ قرآن کریں گے قبل اس کے کہ ایمان
حاصل کریں، وہ حروف و الفاظ قرآن
کو خوب ادا کریں گے لیکن اُس کے حدود
اور احکام کو ضائع کریں گے وہ فخریہ
کہیں گے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کیا ہے۔
کون ہم سے زیادہ حافظ قرآن ہے اور
ہمیں اُس کا علم ہے تو کون ہم سے زیادہ
علم رکھتا ہے۔ بس اُن کا حصہ یہی ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ لوگ اس امت کے بدترین اشخاص ہیں۔
صاحب قوت القلوب نے اس روایت کو اسی صورت سے نقل کیا ہے۔

عن جندب قال كنا مع النبي
صلى الله عليه وسلم ونحن
فتيان فتعلمنا الإيمان قبل
أن نتعلم القرآن ثم تعلمنا
القرآن فازددنا به إيمانا
وإسناده صحيح رواه الطبراني

جندب کی روایت ہے کہ ہم رسالتمآب
کی صحبت سے شرفیاب تھے اور اُس وقت
ہمارا جوانی کا عالم تھا۔ ہم نے اصول
ایمان کو پہلے حاصل کیا پھر قرآن کی
تعلیم حاصل کی جب قرآن کی تعلیم
لی تو ایمان میں اور اضافہ ہوا۔ اس

فیہ وانکم الیوم تعلمون القرآن قبل الایمان وھو صحیح ایضا

روایت کی سند صحیح ہے۔ طبرانی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ آج تم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ایمان حاصل کیے بغیر قرآن کی تعلیم لیتے ہو۔ یہ ٹکڑا بھی صحیح السند ہے۔

ابن مسعود سے روایت ہے۔

انزل القرآن لیعمل بہ فاتخذتم دراستہ عملا وسیاتی قوم یثقفونہ تثقیف القناۃ لیسوا بخیارکم

قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے مگر تم نے خود الفاظ قرآن کے سبق کو اس پر عمل کا قائم مقام بنا لیا اور آیندہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن گانے کی طرح کھینچ تان کریں گے یہ تم میں کے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

دوسری روایت میں ہے۔

یقیمونہ اقامۃ القدح یتعجلونہ ولا یتاجلونہ

وہ لوگ قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کریں گے اور اُسے جلدی جلدی تیزی کے ساتھ پڑھیں گے اور ٹھہر ٹھہر کر نہیں پڑھیں گے۔

اب ان احادیث و روایات کو ذرا مطابق کیا جائے۔ حفاظ قرآن کی موجودہ اکثریت کے ساتھ تو معلوم ہوگا کہ ہو بہو انہی اوصاف کا نمونہ سب پیش نظر ہے۔

سنن ابن ماجہ (مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۵۹) میں زیاد بن لبید کی روایت

قال ذكر النبي صلى الله عليه وسلم شيئا فقال ذلك عند اوان ذهاب العلم قلت يا رسول الله وكيف يذهب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرؤه ابناءنا ونقرءه ابناءنا ابناءهم الى يوم القيامة قال ثكلتك امك يا زياد ان كنت لاراك من افقه رجل بالمدينة اوليس هذه اليهود والنصارى يقرأون التورية والانجيل لا يعملون بشئ مما فيهما

(رسالتمآبؐ نے کسی بات کا ذکر کیا اور فرمایا یہ اُس وقت ہوگا جب علم دنیا سے اُٹھ جائے گا میں نے عرض کیا علم کیونکر اُٹھے گا حالانکہ ہم قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو حفظ کراتے ہیں اور وہ اپنے بچوں کو حفظ کرائیں گے۔ برابر بعد قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا۔ حضرتؐ نے فرمایا تیری ماں کو تیرے غم میں رونا نصیب ہو میں تو تجھے تمام اہل مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار سمجھتا تھا کیا یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل کو حفظ نہیں کرتے۔ مگر اُن کے مضامین پر عمل نہیں کرتے ہیں (بس اسی طرح مسلمان بھی قرآن کو حفظ کریں گے مگر اُسکے مضامین پر عمل نہ کرینگے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حفظ قرآن کا کوئی نتیجہ نہیں ہے جس کے ساتھ معانی قرآن میں تدبر نہ ہو۔ مضامین قرآن پر عمل نہ ہو۔

حفاظ قرآن کا عملی نقشہ

نہایہ ابن اثیر لغت (قرا) میں ہے۔

فیہ اکثر منافقی امتی قراءھا ای انھم یحفظون القرآن نفیا للتھمۃ عن انفسھم وھم یعتقدون تضییعہ وکان المنافقون فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ الصفۃ۔

حدیث میں ہے کہ میری امت کے منافقین اکثر حفاظ قرآن ہی ہوں گے یعنی وہ لوگ قرآن حفظ کریں گے تاکہ ان سے نفاق کی تہمت دور ہو جائے حالانکہ ان کے دلوں میں اُسکے فنا کرنے کی تدبیریں مضمر ہوں گی۔ اور اکثر منافقین زمانہ رسالتمآب میں اسی صفت کے تھے۔

شرح احیاء العلوم صفحہ ۴۴۲ میں لکھا ہے

کان الحجاج اقرء القرآء واحفظھم لحروف القرآن کان یقرأ القرآن فی کل ثلث وکان اضیع الناس لحدودہ۔

حجاج (ابن یوسف ثقفی) اپنے زمانہ میں سب سے بڑا حافظ اور الفاظ قرآن کا سب سے زیادہ حفظ رکھنے والا تھا ہر تین روز میں قرآن ختم کیا کرتا تھا لیکن وہی سب سے زیادہ حدود و احکام قرآن کا ضائع کرنیوالا تھا

جمل کی لڑائی میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین علی بن ابیطالبؑ کے

مقابلہ میں حفاظ قرآن کی جماعت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ تاریخ طبری۔ ج ۵۔ ص۲۲۲ میں ہے۔

قتل من بنی عدی یومئذ سبعون شیخا کلھم قد قرأ القرآن

" قبیلہ عدی سے جمل کے دن ستر ضعیف العمر بڈھے قتل ہوئے جنھیں سب قرآن حفظ کیے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی تھیں ما زلت ارجو النصر حتی خفیت اصوات بنی عدی۔

" مجھے برابر فتح و ظفر کی امید قائم رہی جب تک کہ بنی عدی کی آوازیں میرے کان میں آتی رہیں۔"

جنگ صفین میں وہ لوگ جنھوں نے قرآن نیزوں پر بلند کیے جانے کے بعد امیر المومنین کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ اگر آپ معاویہ کی خواہش منظور نہ کریں گے تو ہم آپ کو گرفتار کر کے دشمن کے حوالہ کر دیں گے یا قتل کر ڈالیں گے اور پھر فیصلہ ثالثی منظور ہو جانے کے بعد وہی لوگ امیر المومنین کے مخالف ہو گئے اور نہروان میں آپ سے برسر پیکار ہوئے یہ بھی حفاظ قرآن ہی تھے۔ ملاحظہ ہو طبری۔ ج ۶۔ ص ۲۷

فقال لھا مسعر بن فدکی التمیمی و زید بن حصین (قرآن مجید کے نیزوں پر اٹھائے جانے کے بعد) مسعر بن فدکی تمیمی اور زید بن

الطائی ثم السنبسی فی	حسین طائی اور ایک بڑی جماعت نے
عصابۃ معهما من القراء	حفاظ قرآن میں سے جو بعد میں خوارج
الذین صاروا خوارج بعد	میں داخل ہو گئے یہ کہا کہ یا علی کتاب خدا
ذلك یا علی اجب الی کتاب	کے فیصلہ کو منظور کیجیے جس کی خواہش
الله عز وجل اذا دعیت	کیجارہی ہے ورنہ ہم آپ کو دشمنوں کے
الیه والا ندفعك برمتك	حوالہ کر دیں گے۔ یا وہ سلوک
الی القوم او نفعل کما فعلنا	کریں گے جو اس کے قبل عثمان کے
بابن عفان۔	ساتھ کر چکے ہیں۔

ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کرنے میں بھی ان محترم حفاظ قرآن کی جماعت کا کافی ہاتھ تھا اور یہ لوگ ان کے قتل کرنے میں پیش پیش تھے۔

دوسرا تبصرہ

حفظ قرآن کا قدیم محاورہ

قرآن مجید کے الفاظ کو زبانی حفظ کرنے والوں کے لیے "حافظ" کی اصطلاح نوزائیدہ ہے۔ عربی کتابوں میں جو زمانۂ قدیم یعنی صدر اسلام

اور اُس کے بعد صدیوں تک کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، اس لفظ کا اپنے موجودہ معنی کے ساتھ پتہ نہیں ہے۔

"حافظ" کی لفظ علم حدیث کی اصطلاح تھی جس سے ایک مخصوص کثیر تعداد میں احادیث حفظ کرنے والے اشخاص مراد ہوا کرتے تھے۔ اور اس لیے علماء و محدثین کے نام کے ساتھ جہاں "حافظ" کا لفظ آئے اُس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ قرآن کے حافظ تھے۔ بے شک حفظ قرآن کے لیے قدیم زمانہ کی کتابوں اور روایتوں میں دو لفظیں ملتی ہیں ایک جمع قرآن اور دوسرے قرارت۔ جن کا تذکرہ مختلف روایتوں میں موجود ہے۔

(۱) قتادہ کی روایت

سألت انس بن مالك من جمع القرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اربعة كلهم من الانصار ابى بن كعب ومعاذ بن جبل وزيد بن ثابت وابوزيد	میں نے انس بن مالک سے سوال کیا کہ رسالتمآب کے زمانہ میں کن لوگوں نے قرآن حفظ کیا تھا انھوں نے کہا، چار آدمیوں نے جو انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل اور زید بن ثابت اور ابوزید۔

(۲) ثمامہ کی روایت

عن انس قال مات النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابو الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زید۔

انس نے کہا کہ رسالتمآبؐ نے انتقال فرمایا اور اُس وقت تک نہیں حفظ کیا تھا قرآن کو سوائے چار آدمیوں کے ابو الدرداء اور معاذ بن جبل۔ اور زید بن ثابت اور ابو زید۔

ان دونوں روایتوں کو بخاری نے (باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)[1] میں درج کیا ہے۔ اور حافظ سیوطی نے اتقان[2] میں (النوع العشرون فی معرفۃ حفاظہ ورواتہ) میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ جمع۔ قرأت دونوں کے ایک معنی ہیں۔ یعنی حفظ قرآن۔

ان روایتوں کے ذیل میں حافظ سیوطی تحریر کرتے ہیں۔

قد تمسک بقول انس ھذا جماعۃ من الملاحدۃ ولا متمسک لھم فیہ فانا لا نسلم حکمہ علی ظاھرہ سلمناہ ولکن من این لھم ان الواقع فی نفس الامر کذلک سلمناہ لکن لا یلزم من کون کل من الجم الغفیر لم یحفظہ کلہ ان لا یکون

(۱) صحیح بخاری مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی النصف دوم ۱۸۴۸ (۲) مطبوعہ دہلی صفحہ ۱

حفظہ ولیس من شرط التواتر ان یحفظ کل فرد جمیعہ بل اذا
حفظ الکل الکل ولو علی التوزیع کفی وقال القرطبی قد قتل
یوم الیمامۃ سبعون من القرآء وقتل فی عہد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ببیر معونۃ مثل ہذا العدد وانما خص انس
الاربعۃ بالذکر لشدۃ تعلقہ بھم دون غیرھا اولکونھم کانوا
فی ذھنہ دون غیرھم۔

"انس کی روایت کے ساتھ بہت سے ملحدوں نے استدلال کیا ہے
(یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن متواتر نہیں ہے۔ اس لیئے کہ اُس کے حفظ
کرنے والے شروع میں اتنی مختصر تعداد رکھتے تھے) لیکن ان کا استدلال
غلط ہے اس لیے کہ اول تو انس کی روایت کے یہ معنی جو اُس سے ظاہر
ہوتے ہیں تسلیم نہیں۔ اگر معنی اُس کے یہی تسلیم بھی کیے جائیں تو یہ تسلیم نہیں کہ
واقعۃً بھی یہی صورت تھی اور یہ کہ اُن کا بیان صحیح ہے۔ اگر اسے بھی تسلیم کرلیا
جائے تو اس کثیر جماعت صحابہ کے تمام قرآن کے حافظ نہ ہونے سے یہ ضروری
نہیں ہے کہ وہ بالکل قرآن کے حافظ تھے ہی نہیں۔ اور تواتر کے لیے یہ ضروری
نہیں کہ ہر ہر فرد تمام قرآن کا حافظ ہو بلکہ اگر وہ سب ملکر تمام قرآن کے حافظ
ہوں۔ اجزاء کی تقسیم کے طور سے تب بھی کافی ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یمامہ
کے دن ستر آدمی قتل ہوئے تھے جو سب قرار قرآن تھے اور اتنی ہی تعداد میں

قرا ز زمانۂ رسالتمآبؐ میں بھی بیر معونہ میں شہید ہوئے تھے۔ انس نے چار آدمیوں کا ذکر اس لیے کیا کہ اُن کو انہی لوگوں کے ساتھ خصوصیت حاصل تھی۔ یا اس لیے کہ اُس وقت اُن کے ذہن میں یہی چار نام تھے اور بس"۔

اس عبارت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن اور قرأت دونوں کے معنی حفظ قرآن کے ہیں۔

(۳) نسائی نے بسند صحیح عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

قال جمعت القرآن فقرأت به کل لیلۃ فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرأہ فی شھر الحدیث۔ (اتقان مطبوعہ دہلی)

میں نے قرآن مجید حفظ کیا اور ہر شب پورا قرآن ختم کرنے لگا۔ رسالتمآبؐ کو خبر پہونچی تو حضرتؐ نے فرمایا تم مہینہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔

بخاری کی یہ روایت کہ

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود وسالم ومعاذ وابی بن کعب۔

رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرو چار آدمیوں سے ابن مسعود، اور سالم، اور معاذ اور ابی بن کعب۔

اس کو نقل کرنے کے بعد حافظ سیوطی نے لکھا ہے۔ (ظاہراً تعجب)

امرنا لاخذ عنهم فی الوقت الذی صدر فیہ ذلک القول ولا یلزم من ذلک ان لا یکون احد فی ذلک الوقت شارکھم فی حفظ القراٰن بل کان الذین یحفظون مثل الذی حفظوہ او ازید جماعۃ من الصحابۃ وفی الصحیح فی غزوۃ بیر معونۃ ان الذین قتلوا بھا من الصحابۃ کان یقال لھم القرآء وکانوا سبعین رجلا۔

"بظاہر اُس وقت یہی چار آدمی موجود ہوں گے جن سے تعلیم حاصل کرنے کا حکم ہوا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کوئی اور شخص اُس وقت میں حافظ قرآن تھا ہی نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو ان کا اتنا بلکہ ان سے زیادہ قرآن حفظ کیے ہوئے ہوں سو وہ صحابہ میں بہت سے لوگ تھے اور صحیح روایت میں بیر معونہ کے متعلق ہے کہ جو لوگ وہاں قتل ہوئے تھے وہ صحابہ میں سے قرآ کے نام سے موسوم تھے اور وہ ستر اشخاص تھے۔" (اتقان ص۱۰۱)

اس روایت کے درج کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآء کے معنی حفاظ قرآن کے ہیں۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ

عمیر بن عدی الخطمی امام بنی خطمۃ وکان اعمی قال ابن القداح حفظ طائفۃ ۔ عمیر بن عدی خطمی قبیلہ بنی خطمہ کے پیشنماز اور حافظ نابینا تھے۔ ابن قداح نے کہا ہے کہ انھوں نے کچھ حصہ قرآن کا

من القرآن فسمی بالقاری
كان يؤم بني خطمة
(استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۲ صفحہ ۲۹۱ مطبوعہ مصر)

حفظ کر لیا تھا۔ اس لیے قاری کہے
جانے لگے تھے اور بنی خطمہ کے یہاں نماز
پڑھاتے تھے۔

اصابہ (ج ۳ صفحہ ۲۲۸) میں ہے

معاذ بن الحرث بن الارقم
الخزرجي يكنى ابا حليمة
كان يقال له القاري هو الذي
اقامه عمر يصلي التراويح في شهر
رمضان۔

معاذ بن حارث خزرجی۔ قاری کہے
جاتے تھے۔ اور ان کو حضرت عمر نے
ماہ رمضان کے زمانہ میں تراویح کا
امام مقرر کیا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حافظ قرآن تھے اس بنا پر قاری کہے جاتے تھے۔

اصابہ (ج ۳ صفحہ ۴۸۶) میں ہے کہ

وروى البخاري عن ابي موسى
الاشعري انه قال لا يذبح
للمسلمين الا من يقرأ ام الكتاب
فلم يقرأ الا محرز القصاب
فكان يذبح وحده۔۔

ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ آپ نے
فرمایا کوئی شخص مسلمانوں میں جانور ذبح
نہ کرے جب تک سورۂ حمد حفظ نہ کر لے۔
سوائے محرز قصاب کے کسی نے حفظ نہ کیا۔
اس لیے بس وہی مسلمانوں کے یہاں جانور
ذبح کرتے تھے۔

ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ (ج ۱ ص ۲۶۳ ۔ ۲۶۴) میں لکھا ہے

عن الشعبی قال جمع القرآن
علی عهد رسول الله صلی الله
علیه وسلم ستة من
الانصار زید بن ثابت وابو
زید ومعاذ بن جبل وابو الدرداء
وسعد بن عبادة وابی بن کعب
وکان جاریة بن مجمع بن جاریة
قد قرأه الا سورة او سورتین
کذا قاله الطبرانی ورواه اسحق
بن یوسف عن زکریا به وقال
المجمع بن جاریة وکذلک قاله
اسمعیل بن ابی خالد عن الشعبی
وهو الصحیح وکان جاریة بن
عامر والد المجمع ممن اتخذ
مسجد الضرار وکان المجمع یصلی
لهم فیه وهذا اقوی قول من

شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کو جمع کیا
رسالتمآب کے زمانہ میں چھ آدمیوں
نے انصار میں سے ۔ زید بن ثابت ۔
ابوزید ۔ معاذ بن جبل ۔ ابو الدرداء ۔
سعد بن عبادہ ۔ ابی بن کعب ۔ اور
جاریہ بن مجمع بن جاریہ نے بھی اسکی
تمام وکمال قرات کی تھی سوائے
دو ایک سورتوں کے جو چھوٹ گئے تھے
اسحق بن یوسف نے بھی اس روایت کو
نقل کیا ہے مگر انھوں نے جاریہ بن مجمع بن
جاریہ کے بجائے مجمع بن جاریہ کا نام لیا ہے
اور اسمعیل بن ابی خالد کی روایت بھی شعبی
سے یہی ہے اور یہی صحیح ہے ۔ جاریہ بن عامر جو
مجمع کے والد تھے انھوں نے مسجد
ضرار کی بنیاد قائم کی تھی اور مجمع انہیں
نماز پڑھایا کرتا تھا اور اسی سے بھی

يقول ان المجمع كان الحافظ للقرآن.	اس قول کی تقویت ہوتی ہے کہ حفظ قرآن کرنے والے مجمع ہی تھے۔

اس عبارت کے بھی صدر و ذیل اور وسط سے جمع. قرارت اور حفظ کا متحد المعنیٰ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ نہایہ ابن اثیر لغت (قرا) میں ہے۔

قد تكرر في الحديث ذكر القراءة والاقتراء والقارى والقرآن والاصل في هذه اللفظة الجمع وكل شئ جمعته فقد قرأته وسمى القرآن لانه جمع القصص والامر والنهى والوعد والوعيد والآيات والسور بعضها الى بعض ـــ وفيه اكثر منافقى امتى قراءها اى انهم يحفظون القرآن نفيا للتهمة عن انفسهم وهم يعتقدون تضييعه۔۔	حدیث میں اکثر جگہ قرأة اور اقتراء اور قاری اور قرآن کا تذکرہ ہے، اصلی معنی اس لفظ کے جمع کے ہیں، اور جس شئے کو تم جمع کرو اس کے متعلق کہا جائے گا قراته۔ اور قرآن کا نام قرآن اسی لیے ہوا کہ اس میں امر اور نہی وعدہ اور وعید آیات اور سور مجمع حیثیت سے مندرج ہیں۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ اکثر میری امت کے منافقین قراء ہوں گے یعنی وہ لوگ حفظ قرآن کریں گے۔ اپنے نفس سے تہمت ہٹانے کیلئے حالانکہ ان کے دلوں میں قرآن کو فنا کر دینے کا خیال مضمر ہوگا۔

اس سے بھی، قرأت اور جمع کا معنی حفظ قرآن ہونا ثابت ہے۔

کتاب وسائل الشیعہ مصنفہ شیخ حر عاملی (مطبوعہ طہران۔ ج ا صـ ۳۷) میں ہے۔

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من قرأ مائة آیة لم یکتب من الغافلین ومن قرأ مائتی آیة کتب من القانتین ومن قرأ ثلثمائة آیة لم یحاجه القرآن یعنی من حفظ قدر ذلك من القرآن یقال قرأ الغلام القرآن اذا حفظه۔

رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص قرأت کرے سو آیتوں کی غافلین میں محسوب نہ ہوگا۔ جو شخص قرارت کرے دو سو آیتوں کی قانتین میں محسوب ہوگا اور جو شخص تین سو آیتوں کی قرأت کرے قرآن (روز قیامت) اُس کی شکایت نہ کرے گا۔ قرارت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اتنی مقدار حفظ کرے۔ عرب کا محاورہ ہے، بچہ نے قرآن کی قرأت کی یعنی اُسکو حفظ کیا۔

مجلہ "المرشد العربی" لاذقیہ (شام) ج ۲ صـ ۲۱۲ میں ہے۔

عظم شان القرّاء فی اوّل الاسلام لقلة الذین یقرأون القرآن یومئذ فسمّوا الذین یحفظون القرآن قرّاء تمییزا لهم عن غیرهم لانهم کانوا

قرّاء کو بڑی عزت حاصل ہوئی اوائل اسلام میں اس لیے کہ بہت کم لوگ اُس زمانہ میں قرآن کے حافظ ہوتے تھے تو جو لوگ قرآن حفظ کرتے تھے انہیں قرّاء کہا جاتا تھا اُن کے امتیاز دینے کیلیے

امیین۔ اُن کے غیر سے کیونکہ دوسرے لوگ اکثر
امی ہوا کرتے تھے۔

جرجی زیدان نے تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ا ص۲۱۳ میں بھی لکھا ہے۔

قرأۃ القرآن ھی اقدم العلوم الشرعیۃ الاسلامیۃ و کان للقراءۃ شان فی صدر الاسلام لقلۃ الذین یقرأون یومئذ سمّوا الذین کانوا یحفظون القرآن "قراء" تمیزا لھم عن سائر المسلمین لانھم کانوا امیین۔

قرأۃ قرآن تمام اسلامی مذہبی علوم میں قدیم ترین فن ہے اور قرأۃ کو صدر اسلام میں بڑی اہمیت حاصل تھی اسلیے کہ بہت کم لوگ تھے جو قرارت کرتے تھے۔ لہذا وہ اُن اشخاص کو جو حفظ قرآن کرتے تھے "قرا،" کہنے لگے امتیاز کے لیے اُن کے دوسرے مسلمانوں سے جو زیادہ تر امی ہوا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ قدیم زمانہ کی اصطلاح میں حافظ قرآن کو "قاری" کی لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرأ القرآن کے معنی "حفظ القرآن" کے ہیں۔

قراءت علم تجوید کے معنی میں جس کے اعتبار سے اُن اشخاص کو جو مخارج حروف سے واقف ہیں قاری کہا جاتا ہے۔ جدید اصطلاح

ہے۔ جسکو عربی کے قدیم محاورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں صحابۂ کرام کی بے توجہی

ہم جس وقت صدر اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کی کثیر جماعت حفظ قرآن سے عاری تھی اور وہ الفاظ قرآن کو ازبر حفظ نہ رکھتی تھی۔

جس کا قوی ثبوت خصوصی تصریحات کے پہلے یہ ہے کہ زمانۂ رسالتمآبؐ میں قرآن مکمل و مرتب صورت سے یکجا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ بعد کو مرتب و مدون ہوا۔

بیر معونہ میں شہید ہونے والی ستر آدمیوں کی جماعت یا یمامہ کے دن قتل ہونے والے ستر اشخاص جن کے متعلق سابقہ عبارتوں میں درج ہوا ہے کہ وہ قرّاء قرآن تھے۔ اُن کے متعلق کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پورے قرآن کے حافظ تھے بلکہ صورت حال کی بنا پر کہ قرآن تدریجی حیثیت سے نازل ہوتا تھا اور رسالتمآبؐ منتشر اجزا دیں اُس کو لکھواتے جاتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے حاضر الوقت

ہوا اُس نے جو کچھ حصہ قرآن کا اُس کے سامنے نازل ہوا اُس کو یاد کر لیا اس طرح مختلف صحابہ کے سینوں میں کثیر التعداد اجزاء قرآن کے متفرق طور پر محفوظ تھے اور انھیں صرف اتنے ہی حفظ کر لینے پر قاری کے نام سے نامزد کر دیا جاتا تھا جس کا ثبوت استیعاب کی عبارت سے جو سابقہ تبصرہ میں گذری نذر ناظرین ہو چکا جس میں عمیر بن عدی کے متعلق لکھا ہے کہ حفظ طائفۃ من القرآن فسمی بالقاری۔

"ایک حصہ قرآن کا حفظ کر لیا، اس سے اُن کا نام قاری ہو گیا"

یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسالتمآبؐ نے کوئی مدرسہ حفظ قرآن کا قائم نہیں کیا تھا اور نہ مدوّن صورت سے کوئی کتاب ہی موجود تھی جو صحابہ کو دیجاتی کہ وہ یاد کریں۔

علامہ مصطفے صادق رافعی نے اعجاز القرآن (مطبوعہ مصر ص۴۳) میں لکھا ہے

ان الواحد منھم اذ احفظ سورۃ او کتبھا ثم خرج فی سریۃ فنزلت سورۃ اخریٰ فانہ کان اذا رجع یأخذ فی حفظ ما ینزل بعد رجوعہ وکتابتہ ویتتبع ما فاتہ علی حسب ما یسھل لہ اکثرہ او اقلہ ثم یقع فیما یکتبہ تأخیر المقدم وتقدیم المؤخر

"صحابہ میں سے کوئی شخص جو کوئی سورہ حفظ کرتا تھا یا لکھتا تھا اس کے بعد اُس کو کسی غزوہ یا جنگ میں چلا جانا پڑتا تھا تو کوئی اور سورہ اُس کی

عدم موجودگی میں نازل ہوتا تھا۔ جب وہ واپس آتا تھا تو وہ تو اُن سورتوں کے حفظ یا کتابت میں مشغول ہو جاتا جو اس کے بعد نازل ہوتے رہتے تھے اور وہ مقدار جو اُس کی عدم موجودگی میں نازل ہوئی تھی، اُس کو موقع و محل سے جستجو کر کے جتنا اُس کو ممکن ہو سکتا تھا اتنا حفظ کر لیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے مکتوبات میں مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہو جاتا تھا اور ترتیب محفوظ نہ تھی۔"

اس صورت حال کے بعد بھلا کہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ میں کثیر التعداد جماعت ایسی تھی جو تمام قرآن کی حافظ ہو۔

ان روایات سے بھی کہ جن میں صرف پانچ یا سات آدمیوں کا صحابہ میں سے حافظ قرآن ہونا مذکور ہے، اس امر کا ثبوت صاف طور سے پایا جاتا ہے۔

ان میں سے اکثر روایات سابقہ تبصرہ میں ہدیۂ ناظرین کیے جا چکے ہیں، جیسے بخاری کی روایت قتادہ سے کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کن لوگوں نے حفظ قرآن کیا تھا۔ انھوں نے کہا چار آدمیوں نے جو انصار میں سے تھے۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زید بن ثابت۔ ابو زید۔

دوسری روایت انس کی کہ رسالتمآبؐ کا جب انتقال ہوا ہے کسی شخص نے حفظ قرآن نہیں کیا تھا سوائے چار آدمیوں کے۔ ابوالدرداء اور معاذ بن جبل اور زید بن ثابت اور ابو زید

(۳) ابن ابی داؤد کی روایت محمد بن کعب قرظی سے کہ قرآن کو حفظ کیا تھا رسالتمآب صلعم کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے انصار میں سے۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت۔ ابی بن کعب۔ ابو الدرداء۔ ابو ایوب انصاری۔

(۴) بیہقی کی روایت ابن سیرین سے کہ قرآن کو رسالتمآب کے زمانہ میں چار آدمیوں نے حفظ کیا تھا جن میں اختلاف نہیں ہے معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید اور ابو زید اور دو آدمیوں میں اختلاف ہے۔ ابو الدرداء اور عثمان اور بعض نے کہا ہے عثمان اور تمیم داری۔

(۵) شعبی کی روایت ہے کہ قرآن کو رسالتمآب صلعم کے زمانہ میں چھ آدمیوں نے حفظ کیا تھا۔ ابی اور زید اور معاذ اور ابو الدرداء اور سعد بن عبید اور ابو زید اور مجمع بن جاریہ۔ نے دو تین یا چار سوروں کے علاوہ پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

مذکورۂ بالا تمام روایات کو حافظ سیوطی نے اتقان[۱] میں درج کیا ہے۔ شعبی کی روایت اصابہ حافظ ابن حجر[۲] اور اسد الغابہ[۳] میں بھی موجود ہے۔ استیعاب میں ہے کہ قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے کہا ہم میں سے چار آدمی ہیں جنھوں نے رسالتمآب صلعم کے زمانہ میں قرآن حفظ کیا اور ان کے سوا کسی کو یہ شرف حاصل نہ تھا۔ زید بن ثابت اور ابو زید اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب

(۱) مطبوعۂ دہلی صفحہ ۱۰۲۔۱۰۳۔ (۲) ج ۲ صفحہ (۳) ج ۱ صفحہ ۲۶۳۔۲۶۴۔

ابو عمر نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ خزرج کے فریق مقابل یعنی اوس میں سے کسی نے ان چار آدمیوں کے سوا پورا قرآن حفظ نہ کیا تھا۔ لیکن انصار کے علاوہ دوسرے گروہ (مہاجرین) میں سے بعض نے قرآن حفظ کیا تھا جیسے عبداللہ بن مسعود اور سالم مولی ابی حذیفہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص (۱)۔

سیوطی نے مذکورۂ بالا اشخاص کے علاوہ بڑی کدو کاوش سے بعض صحابہ کے نام دریافت کیے ہیں۔ جو حافظ قرآن تھے ان میں سے بعض کا تذکرہ عبید نے کتاب القراءۃ میں کیا ہے۔

مہاجرین میں سے خلفائے اربعہ (دوسرے مستند روایات اور قرائن کی بنا پر جو آیندہ آئیں گے یہ ثابت ہوگا کہ حضرت شیخین حافظ نہ تھے) طلحہ۔ سعد و قاص۔ ابن مسعود۔ حذیفہ۔ سالم۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن سائب۔ عائشہ حفصہ۔ ام سلمہ۔ انصار میں سے عبادۃ بن صامت۔ معاذ۔ فضالۃ بن عبید۔ مسلمۃ بن مخلد۔ لیکن بعض کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے تکمیل حفظ قرآن کی رسالتمآبؐ کے بعد کی ہے۔ ابن ابی داؤد نے ان میں سے تمیم داری اور عقبہ بن عامر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ابو احمد عسکری نے لکھا ہے کہ قبیلہ اوس میں سے سعد بن عبید نے حفظ قرآن کیا تھا۔ ابن ابی داؤد نے حفاظ قرآن میں قیس بن ابی صعصعہ خزرجی کا نام

(۱) استیعاب برحاشیۂ اصابہ۔ ج ۱ ص ۲۸۲

بھی لکھا ہے۔ لیکن ان کی کنیت ابو زید ہے، اس لیے ممکن ہے کہ یہ وہی ابوزید ہوں جنکا تذکرہ سابق روایت آچکا ہے۔ بعض روایات میں ان کا نام قیس بن سکن ہے۔ عبداللہ بن عمر کے متعلق بھی ایک روایت ہے جس کا تذکرہ سابق میں ہو چکا۔

سعد بن منذر بن اوس بن زہیر کا بھی نام لیا گیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں ایک خاتون کا بھی صحابیات میں سے ذکر کیا ہے جنھوں نے قرآن حفظ کیا تھا۔ اُن کا نام ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث ہے[1]

حافظ عسقلانی کی روایت ہے کہ شہاب قرشی کو رسالتمآب صلعم نے پورا قرآن حفظ کرایا تھا اور حمص میں لوگ اُنہی سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے[2]

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ قیس بن نعمان سکونی کوفی نے قرآن کو زمانہ رسالتمآب صلعم میں حفظ کیا تھا اور حضرت عمر کے عہد میں اسکی تکمیل کی[3]

اصابہ میں ہے کہ انھوں نے زمانہ حضرت عمر میں قرآن حفظ کیا تھا[4]

قرشع ضبی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بڑے بڑے حافظوں میں سے تھے[5]

یہ لوگ وہ ہیں جن کو بڑی تحقیق سے روایات کی صحت اور عدم صحت کی تفریق کیے بغیر صحابۂ کرام کے حفاظ کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم صحابۂ کرام کی مجموعی فہرست سے ان معدودے چند افراد کی نسبت دیکھتے ہیں تو

---

(۱) اتقان صفحہ ۹۳-۱۰۴۔ (۲) اصابہ۔ ج ۲ صفحہ ۱۵۹ (۳) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۳ صفحہ ۲۲۹
(۴) ج ۳ صفحہ ۲۶۱ (۵) اصابہ ج ۳ صفحہ ۲۶۹

اُن کی تعداد نظر میں بہت کم معلوم ہونے لگتی ہے۔

اسد الغابہ میں ہے:[۱]

(صحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما شرطوہ کثیرون فان رسول اللہ شہد حنینا ومعہ اثنا عشر الفا سوی الاتباع والنسآء وجآء الیہ ھوازن مسلمین فاستنقذوا حریمہم واولادھم وترک مکۃ مملوءۃ ناسا وکذلک المدینۃ ایضا وکل من اجتاز بہ من قبائل العرب کانوا مسلمین فھولآء کلھم لھم صحبۃ وقد شہد معہ تبوک من الخلق الکثیر ما لا یحصیہم دیوان وکذلک حجۃ الوداع وکلھم لھم صحبۃ۔

"رسالتمآبؐ کے اصحاب اُن شرائط کے ساتھ جو صحابیت کے لیے قرار دی گئی ہیں، بہت ہیں۔ اس لیے کہ جب رسالتمآبؐ جنگ حنین میں تشریف لے گئے ہیں، تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ تھے جو بطور خادم وغیرہ کے دوسروں کے ساتھ چلے آئے تھے۔ یا عورتیں تھیں کہ جو ساتھ تھیں۔ نیز قبیلہ ہوازن کے لوگ سب مسلمان ہو کر آئے تھے اور اپنی اولاد اور عورتوں کو قید سے چھڑا کر لے گئے تھے۔ پھر مکہ کو آپ نے چھوڑا تھا اور وہ مسلمانوں سے مملو تھا اور اسی طرح مدینہ اس کے علاوہ جن قبائل پر راستہ

(۱) ج ۱۔ مطبوعہ مصر ص۱۲

میں آپ کا عبور ہوا تھا وہ سب مسلمان تھے۔ یہ تمام لوگ صحابہ میں مندرج ہیں اور جنگ تبوک میں آپ کے ساتھ اتنی جمعیت تھی جو کسی دفتر میں درج نہیں ہو سکتی تھی، اور اسی طور سے حجۃ الوداع میں۔ یہ تمام لوگ وہ ہیں جن کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔"

ان میں سے وہ لوگ جن کے اسماء کتب رجال اور اسماء الصحابہ میں مندرج ہو سکے ہیں۔ اور استیعاب۔ اسد الغابہ۔ اصابہ میں مذکور ہیں۔ وہ بھی سترہزار کی تعداد تک ہیں۔

اس عظیم مردم شماری میں اگر دس بیس حفاظ قرآن کے اسماء بڑی جستجو سے دستیاب ہو سکے تو اس سے یہ کسی طرح نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ کو حفظ قرآن کی طرف کوئی خاص توجہ تھی۔

حالانکہ اس زمانہ میں کتابت و تحریر کے عام طور سے رائج نہ ہونے کی بنا پر حفظ قرآن کو خاص طور سے اہمیت حاصل تھی شعراء کے قصائد اور بڑے بڑے مقررین کے خطب اسی حفظ کے ذریعہ سے محفوظ ہوتے تھے۔ اسی لیے جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحریف قرآن کی حقیقت" (۱) میں لکھا ہے، رسالتمآب کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ اطراف و جوانب میں قرآن کی تعلیم دینے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور قرآن کا

(۱) ص ۳۵ دوسرا ایڈیشن۔

زیادہ مقدار میں علم رکھنے والے کے لیے مخصوص امتیازات مقرر تھے؟"

لیکن اس سب کا نتیجہ آن تھا کہ قرآن کو مختلف مقامات سے متفرق حیثیت سے اتنے کثیر التعداد صحابہ یاد کرلیں جن کی مجموعی حیثیت سے تواتر کی کیفیت پیدا ہو جائے لیکن تمام قرآن کے یاد کرنے والے اور پورے حافظ آٹھ دس سے زیادہ نہ ہوئے تھے۔

قرآن جمع کرنے کے روایات جن کا تفصیلی تذکرہ ہم نے "تحریف قرآن کی حقیقت" میں کیا ہے، اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کرتے ہیں۔

صحیح بخاری نصف دوم صفحہ ۷۴۵ (مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی)۔

"باب جمع القرآن" میں زید بن ثابت کی روایت ہے کہ یمامہ کی جنگ کے بعد جس میں بہت مسلمان شہید ہوئے تھے حضرت ابوبکر نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ میں ان کے پاس حاضر ہوں۔ میں گیا تو وہاں حضرت عمر موجود تھے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ یہ عمر میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ یمامہ کے دن حفاظ قرآن بہت سے قتل ہو گئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ یونہی حفاظ مختلف لڑائیوں میں قتل ہوتے رہے تو بہت حصہ قرآن کا تلف ہو جائے گا۔

(اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ جو قراء کہلاتے تھے متفرق مقامات سے مختلف اجزائے قرآن کے حافظ ہوتے تھے۔ اگر یہ لوگ تمام قرآن کے حافظ ہوا کرتے تو حضرت عمر کو یہ اندیشہ پیدا نہ ہوتا کہ "بہت حصہ قرآن کا تلف

ہو جائے گا، بلکہ اُس صورت میں یا تو یہ اندیشہ پیدا ہوتا کہ قرآن بالکل تلف ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اُس کے تمام حفاظ قتل ہو جائیں گے۔ اور یا کچھ اندیشہ ہی نہ ہوتا کیونکہ جب تک ایک بھی باقی رہتا مجموعۂ قرآن موجود رہتا) میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو یکجا کیے جانے کا حکم دیجئے۔ میں نے عمر سے کہا کہ تم کیونکر ایسی بات کرو گے جو رسالتمآبؐ نے نہیں کی۔ مگر انھوں نے کہا کہ نہیں یہ تو اچھی بات ہے، اس کے بعد یہ برابر مجھ سے اس معاملہ میں تبادلۂ خیال کرتے رہے، یہاں تک کہ خدا نے میرے دل میں بھی کشائش پیدا کی اور میں ان کا ہمخیال ہو گیا۔ تم جوان نو عمر اور سمجھدار اور ہمارے بھروسے کے آدمی ہو اور تم رسالتمآبؐ کے سامنے کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔ لہذا اس کام کے قابل ہو۔ تم تتبع و جستجو کرو اور قرآن کو جمع کرو۔

زید کا بیان ہے کہ اگر مجھ کو کسی پہاڑ کے سرکانے کا حکم دیا جاتا تو وہ میرے اوپر اتنا گراں نہ معلوم ہوتا جتنا یہ جمع قرآن کا حکم۔ میں نے کہا تم لوگ ایسی بات کیونکر کرو گے جو رسالتمآبؐ نے نہیں کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ نہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ تو خدا کی قسم اچھی بات ہے۔ اس طرح برابر حضرت ابوبکر مجھ کو سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں بھی اُن کا ہمخیال ہو گیا۔

فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمة

الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم حتیٰ خاتمۃ براءۃ۔

"میں نے قرآن کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور درخت کی چھالوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے محفوظات سے اُس کو جمع کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ مجھ کو ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا، اور کسی دوسرے کے پاس دستیاب نہیں ہوا اور وہ یہ ہے کہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم۔ آخر براءت تک"

(اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کوئی شبہ نہیں رہتا کہ پورے قرآن کے حافظ صحابہ میں موجود نہ تھے یا بہت کم تھے ورنہ اس طرح متفرق مقامات سے جمع کرنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑتی، اور مذکورہ آیت کے لیے جستجو کے بعد صرف ایک شخص دستیاب نہ ہوتا جسکے سوا کسی کے پاس وہ آیت موجود نہ تھی)

زید بن ثابت کی دوسری روایت ہے کہ جب ہم مصحف کی کتابت کرنے لگے تو ایک آیت یاد آئی جو میں نے رسالتمآب کو پڑھتے سنی تھی، اور اس مصحف میں وہ لکھی نہ گئی تھی۔ ہم نے اُس کو ڈھونڈھنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس دستیاب ہوئی۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ۔ ہم نے اُس کو مصحف میں جو اس کا سورہ تھا وہاں ملحق کر دیا"۔

ان روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخین حافظ قرآن نہ تھے۔ ورنہ آپ کو زید بن ثابت کو اس کام پر مامور کرنے کی اور زید کو اس عرق ریزی اور کاوش کی ضرورت نہ پڑتی۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

عن محمد بن عباد قال لم یحفظ القرآن احد من الخلفاء الا عثمان بن عفان والمامون	محمد بن عباد کا قول ہے کہ قرآن کو خلفاء میں سے سوائے دو آدمیوں کے کسی نے حفظ نہیں کیا ایک حضرت عثمان اور دوسرے مامون عباسی

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخین حافظ قرآن نہ تھے اگرچہ حافظ سیوطی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ انحصار صحیح نہیں ہے بلکہ نووی وغیرہ کی تصریح کے مطابق حضرت صدیق نے بھی قرآن حفظ کر لیا تھا اور حضرت علیؑ نے بھی تمام قرآن حفظ کیا تھا۔(۱)

لیکن حافظ سیوطی کا یہ اختلاف پورے طور سے صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق تو بے شک مستند حیثیت سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ قرآن مجید کے حافظ بلکہ مفسر و جامع اور عالم و معلم تھے، اس لیے آپ کی نسبت خطیب کے انحصار میں کوتاہ قلمی و تقصیر ضرور ہے لیکن حضرت ابوبکر کی نسبت کوئی مستند ثبوت حافظ قرآن ہونے کا پایہ نہیں جاتا۔

(۱) تاریخ الخلفاء مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۲۔

جو روایت اس سلسلہ میں بڑے شد و مد سے نقل کیجاتی ہے وہ کسیطرح اسکے ثبوت کیلئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امام سیوطی کی کتاب (اتقان فی علوم القرآن)[1]۔

الذی نظہر من کثیر من الاحادیث ان ابابکر کان یحفظ القرآن فی حیوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففی الصحیح انہ بنی مسجدا بفناء دارہ فکان یقرأ فیہ القرآن۔

وہ جو اکثر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ ابوبکر رسالتمآب کے زمانہ میں قرآن حفظ کرتے تھے چنانچہ صحیح میں ہے کہ آپ نے ایک مسجد بنوائی تھی اپنے گھر کے صحن میں، اُس میں آپ قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے وھو محمول علی ما کان ینزل منہ اذ ذاک۔

"اس کے معنی یہ ہیں کہ جتنا جتنا قرآن اُس زمانہ میں نازل ہوتا تھا اُس کو آپ حفظ کر لیتے تھے"۔

اس روایت سے کسی طرح یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ اس لیے کہ یہ ایک مخصوص زمانہ کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُس زمانہ میں جتنا قرآن نازل ہوتا تھا اُس کو مسجد میں بیٹھ کر حفظ کیا کرتے

(۱) صفحہ ۱۰۳۔

تھے، لیکن اس سعی میں آپ کو کس حد تک کامیابی ہوئی؟ آپ کا یہ طرزِ عمل آخر عمر تک قائم رہا؟ اس مسجد کی تعمیر کے قبل جتنا حصہ کہ معظمہ میں یا خود مدینہ میں آنے کے بعد نازل ہو چکا تھا اس کو بھی آپ نے حفظ کیا یا نہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کا کوئی جواب اس روایت سے نہیں نکلتا ہے۔

اس کے ساتھ خود اتقان[1] میں یہ روایت نظر سے گذرتی ہے کہ

اخرج ابن اشتۃ فی المصاحف بسند صحیح عن محمد بن سیرین قال مات ابو بکر ولم یجمع القرآن وقتل عمر ولم یجمع القرآن

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں بسند صحیح محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر کا انتقال ہو گیا اور آپ نے قرآن حفظ نہ کیا تھا اور اسی طرح حضرت عمر مرتے مر گئے اور قرآن حفظ نہ کیا تھا۔

اس سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اور کوئی شبہ اسمیں نہیں رہتا۔

حضرت عمر کے متعلق اور بھی ایسی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حافظ قرآن نہ تھے حضرت ابو بکر کے متعلق بھی ایک ایسی ہی روایت ہے اور اس سے حفظ قرآن کے متعلق آپ کا نظریہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ لان اعرب اٰیۃ فی القرآن احب الی من ان احفظ اٰیۃ، مجھے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر معلوم ہو جائے تو یہ زیادہ محبوب ہے

[1] مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳

اس سے کہ میں ایک آیت کو حفظ کر لوں۔ (۱)

اسی طرح دیگر عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ وہ اس جوہر سے عاری تھے بلکہ اہل روایت اور رطب و یابس جمع کر دینے والے محدثین نے تو ایسی احادیث تک درج کر دی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالتمآب بھی پورے طور سے حافظ قرآن نہ تھے، اور بہت سی آیتیں آپ بھول جاتے تھے جو دوسرے صحابہ کی یاد دہانی سے آپ کو یاد آ جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری، باب نسیان القرآن۔ (۲)

حدثنا ربیع بن یحیی قال حدثنا زائدۃ قال حدثنا ھشام عن عروۃ عن عائشۃ قالت سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقرأ فی المسجد فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا و کذا آیۃ من سورۃ کذا

عروہ کی روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسالتمآب نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے سنا حضرت نے فرمایا، خدا اپنی رحمت اس کے شامل حال کرے۔ اس نے مجھ کو فلاں فلاں آیت فلاں سورہ کی یاد دلا دی

دوسری روایت

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۳۴

(۲) صفحہ ۵۲ نصف دوم مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی۔

حدثنا احمد بن ابی رجاء قال
حدثنا ابو اسامة عن هشام بن
عروة عن ابيه عن عائشة قالت
سمعت رسول الله صلی الله علیه
وسلم رجلا یقرأ فی سورة باللیل
فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا
وکذا آیة کنت انسیتها من
سورة کذا وکذا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسالتمآب
نے ایک شخص کو رات کے وقت
قرآن کی تلاوت کرتے سنا حضرت
نے فرمایا خدا اپنی رحمت اس کے
شامل حال کرے۔ اس نے مجھ کو فلاں
فلاں آیۃ یاد دلادی، جو میں فلاں
فلاں سورہ سے بھول گیا تھا۔

تیسری روایت (باب من لم یر باسا ان یقول سورۃ البقرہ
وسورۃ کذا) میں ہے۔

حدثنا بشر بن آدم قال اخبرنا
علی بن مسهر قال حدثنا
هشام عن ابيه عن عائشة
قالت سمع النبی صلی الله علیه
وسلم قارئا یقرأ من اللیل
فی المسجد فقال یرحمه الله
لقد اذکرنی کذا وکذا آیة

حضرت عائشہ نے بیان کیا ہے کہ
رسالتمآب نے ایک قاری کو رات کے
وقت مسجد میں تلاوت کرتے ہوئے
سنا۔ آپ نے فرمایا خدا اس پر رحمت
نازل کرے۔ اس نے مجھکو فلاں
آیت یاد دلادی جو میں فلاں سورہ
سے ساقط کر گیا تھا۔

(اسقطتہا من سورۃ کذا وکذا)[۱]

فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

اسقطتہا ومرۃ فی الروایۃ الثانیۃ (نسیتہا) ھی مفسرۃ لقولہ اسقطتہا وکانہ قال اسقطتہا نسیانا لا عمدا

اس روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان آیتوں کو ساقط کر دیا تھا اور دوسری روایت میں جو سابقاً گزری یہ تھا کہ میں ان آیتوں کو بھول گیا تھا۔ وہ اس روایت کی تشریح ہے۔ گویا حضرت نے فرمایا کہ میں ان آیتوں کو بھولے سے ساقط کر گیا تھا نہ جان بوجھ کر۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتؐ کو قرآن کامل طور سے حفظ نہ تھا اور اس لیے جو آیات آپ بھول جاتے تھے وہ صحابہ کی تلاوت سے آپ کو یاد آجایا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ ان آیات کے علاوہ بھی ایسی آیتیں رہی ہوں جو صحابہ کی تلاوت سے آپ کے گوش زد اس طرح نہیں ہوئیں کہ آپ کو یاد آجائیں۔

بہر حال یہ روایات میرے لیے قابل قبول نہیں ہیں اس لیے کہ میں رسولؐ کی ذات کو سہو و نسیان سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ آپ حامل وحی اور امانت دار رسالت الٰہی تھے۔ ایک جملہ ایک کلمہ اس وحی کا آپ کی نظر سے

(۱) ص ۷۵۴ بخاری نصف دوم

اور جعل ہونا ممکن نہیں ہے۔

خود صحابہ کے حفظ قرآن کی صحت اور عدم صحت کے لیے آپ کا ارشاد معیار اور سند اعتبار ہے۔ یہ نہیں ممکن ہے کہ ان کی قرأت و تلاوت آپ کی یاددہانی کا ذریعہ قرار پائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خود صحابۂ کرام میں قرآن مجید کے تمام و کمال حفظ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی اس لیے رسولؐ کے ایک لاکھ کے قریب صحابہ میں حفاظ قرآن کی فہرست ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کر لینے کے قابل رہی اور اس سے زیادہ نہ ہوئی۔

چوتھا تبصرہ

حفاظ قرآن کی کثرت کا سبب اصلی

رسالتمآبؐ کی زندگی میں ان لوگوں کی تعداد جنھوں نے قرآن کو پورے طور سے حفظ کیا ہو بہت کم تھی۔ خلافت اولیٰ کے زمانہ میں بھی صورت حال یہی قائم رہی۔

اگرچہ اس زمانہ میں قرآن مجید مدون صورت سے جمع ہو گیا تھا۔ ایلطرف رسولؐ کے نبیچے جانشین امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ نے اس کو شان نزول کے مطابق ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، تنزیل و تاویل سمیت مرتب فرمایا۔

دوسری طرف خود ادارۂ خلافت کی طرف سے قرآن مجید کی جمع و تالیف کا کام انجام دیا گیا اور زید بن ثابت کی جانفشانی سے یہ کام انجام کو پہونچا۔

مفاد اسلامی کے محافظ حقیقی جانشین رسولؐ نے دیکھا کہ جب شاہی توجہ خود قرآن کے جمع کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور یہ کام اہتمام خاص سے انجام دیا گیا ہے جس میں سوائے اختلاف ترتیب کے کوئی ایسی اہم خرابی نہیں ہے جو مفاد اسلامی کے لیئے مہلک ہو تو آپ نے اپنے جمع کردہ قرآن کی نشر و اشاعت مسلمانوں کے شیرازہ کے بکھرنے اور تشتت و افتراق پیدا ہونے کا سبب سمجھکر ملتوی کی اور اُس سلک مروارید کو اتمام حجت کی بنا پر دربار خلافت میں دکھلا کر یہ سننے کے بعد کہ "ہم کو اس کی ضرورت نہیں" اہل زمانہ کی ناقدری کا مرثیہ پڑھتے ہوئے اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کر لیا۔

ارکان خلافت کی جانب سے بھی قرآن کو اجزار کی شکل میں یکجا کرنے کے بعد کوئی کوشش اُن کے نشر و اشاعت میں ضروری نہ سمجھی گئی۔ بلکہ صحیح بخاری کی روایت "باب جمع القرآن" میں صاف مذکور ہے کہ

کانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔

"جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس محفوظ رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوا پھر حضرت عمر کے پاس رہے اُن کی زندگی تک اور اس کے بعد

حضرت حفصہ ام المومنین بنت حضرت عمر کی طرف منتقل ہوئے (۱)
عام مسلمانوں کے لیے صورت حال جو اس کے قبل تھی وہی باقی رہی۔
یعنی وہ اُن حفاظ سے جو غیر مرتب طور سے منتشر اجزار کو اپنے پاس محفوظ
کیے ہوئے تھے قرآن مجید کی تعلیم اب بھی حاصل کریں لیکن اس صورت سے حفظ کرنے
میں دشواری بہت تھی اور کوئی خاص توجہ مسلمانوں کو اپنی محدود ضرورت
سے زیادہ قرآن حفظ کرنے کی طرف تھی بھی نہیں۔
اُن مخصوص صحابہ نے جو قرآن کو غیر مرتب حیثیت میں سہی لیکن مکمل طور پر
حفظ کیے ہوئے تھے اپنے اپنے مذاق کے مطابق جمع و تالیف کے کام کو بھی
انجام دیا جن میں عبد اللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل خاص
اہمیت رکھتے تھے۔ اور ابوموسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بنا پر
ایک قرآن جمع کیا تھا جسے اہل بصرہ میں مقبولیت حاصل تھی اور وہ انھیں
"لباب القلوب" کے نام سے مشہور تھا (۲)
ان مصاحف میں ترتیب کے اعتبار سے زمین آسمان کا تفرقہ تھا اور
ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہ تھا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ
"تحریف قرآن کی حقیقت" دوسرا اڈیشن ص ۶۵ - ۷۲)۔ اس لیے بھی
مسلمانوں کے لیے حفظ قرآن میں آسانی نہ تھی بلکہ بڑی دشواری تھی۔

(۱) بخاری مطبوعہ دہلی نصف دوم ص ۷۴۵ (۲) اعجاز القرآن رافعی مطبوعہ مصر ص ۳۱ و ۳۸

حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں نماز تراویح کی ایجاد کی اور جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، آپ نے ماہ رمضان کی راتوں کے نوافل ایک حافظ قرآن کی اقتدار میں ادا کرنے کو ایک اچھی بدعت قرار دیا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ (باب فضل من قام رمضان)۔[1]

فقال عمر انی اری لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلوة قارئهم قال عمر نعم البدعة هذه

حضرت عمر نے لوگوں کو متفرق طور سے نوافل ادا کرتے ہوئے دیکھکر فرمایا کہ میرے خیال میں اگر ان کو ایک حافظ قرآن کی اقتدار میں مجتمع کر دیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ پھر آپ نے اس کا قطعی ارادہ کر لیا اور ان کو ابی بن کعب پر مجتمع کر دیا۔ ایک دن آپ مسجد میں آئے ایسے وقت جب لوگ مجتمع طور سے اپنے حافظ کی معیت میں یہ نماز ادا کر رہے تھے آپ نے فرمایا کتنی اچھی بدعت ہے یہ۔

اس بدعت کے ذریعہ سے حفظ قرآن کا ایک مصرف پیدا ہو گیا۔ حاکم کی ایجاد، خلیفۃ المسلمین کی پسندیدگی اور نعم البدعۃ کہکے اس کی تعریف اب کیا تھا؟ لوگوں کو اس میں انہماک ہو گیا۔ نماز تراویح کے امام بننے کی ہوس حفظ قرآن کے بغیر پوری کیونکر ہوتی۔ اس لیے بہت سے لوگ جنھوں نے

---

(۱) ج ۱ - ص ۲۶۹

رسالتمآبؐ کے سامنے تھوڑا بہت قرآن حفظ کیا تھا مگر پورا نہ کر سکے تھے۔ انھیں شوق تازہ ہوگیا اور قرآن کے حفظ کی تکمیل کی۔ چنانچہ قیس بن نعمان سکونی کے متعلق ہے کہ کان قد قراء القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحصاہ علی عہد عمر۔

"رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کچھ قرآن حفظ کیا تھا مگر اُس کی تکمیل حضرت عمر کے زمانہ میں کی"۔[1]

اصابہ[2] میں ہے کہ کان قد قرا القرآن علی عہد عمر انھوں نے قرآن حضرت عمر کے زمانہ میں حفظ کیا۔"

معاذ بن حارث بن ارقم خزرجی نے بھی غالباً اسی زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا۔ اس لیے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ کے حفاظ میں ان کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔ اور یہ حفظ قرآن اُن کے کام بھی آیا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اُن کو نماز تراویح کا امام مقرر کر دیا۔[3]

ابی بن کعب کے پاس جو سب سے پہلے امام تراویح مقرر کیے گئے تھے۔ لوگ آآکر قرآن حفظ کرنے لگے اور اس سلسلہ میں نذرانے بھی دینے لگے عن الطفیل بن عمرو الدوسی ۔ طفیل بن عمرو دوسی کا بیان ہے کہ

(۱) استیعاب بر حاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۳ ص ۲۳۹ (۲) ج ۳ ص ۲۶۱

(۳) اصابہ ج ۳ ص ۴۲۸

قال اقرانی ابی بن کعب القرآن فاھدیت لہ قوسا (اصابہ ج ۲ صہ ۲۲۵)

مجھکو ابی بن کعب نے قرآن حفظ کرایا۔ میں نے اُن کی خدمت میں ایک کمان پیش کی۔

لوگوں نے حفظ قرآن کے متعلق خواب بھی دیکھنا شروع کر دیے ۔ چنانچہ سعد بن وحاس نے جو صحابہ میں سے تھے یہ خواب دیکھا کہ ایک حوض ہے جس سے لوگ مشکیں بھر رہے ہیں۔ کسی کی مشک چھوٹی ہے، کسی کی بڑی۔ انھوں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ معلوم ہوا قرآن۔"

اس خواب کو دیکھکر سعد نے عہد کیا کہ کم از کم سورہ بقرہ اور آل عمران ضرور حفظ کریں گے (۱)

مگر "عصمت بی بی بے چادری" مسلمانوں کا شوق حفظ قرآن کے بارے میں پورے طور سے پورا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ ابھی تک کتابی صورت میں قرآن مجید شائع نہ تھا۔ کسی شخص کے لیے بطور خود کتاب کے واسطہ سے قرآن کو حفظ کرنا ممکن نہ تھا، بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ اُنھی معدودے چند افراد کی طرف جو حفظ قرآن کی خصوصیت کے مالک تھے۔ (جیسے ابی بن کعب۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہ) رجوع کریں اور اُن کے پاس بیٹھ کر قرآن حفظ کریں اور اس میں جتنی دشواری تھی وہ ظاہر ہے۔

(۱) اصابہ ج ۲ صہ ۳۶۔

پھر حضرت عمر اس بات کے روادار بھی نہ تھے کہ عام لوگ قرآن کو بغیر نوشتہ کے سامنے رکھے ہوئے زبانی پڑھیں، چنانچہ جب آپ سے حج کے موقع پر "عرفات" میں کسی نے بیان کیا کہ کوفہ میں میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو قرآن کی زبانی تلاوت کرتا ہے تو آپ کو سخت غصہ آیا، اور فرمایا تھا تو سہی وہ کون ہے؟ جب معلوم ہوا، عبداللہ بن مسعود تو اُس وقت آپ کا غصہ فرو ہوا۔ اور فرمایا کہ وہ بے شک اسکے حقدار ہیں کہ قرآن کو زبانی پڑھیں [1]۔

اس کا نتیجہ تھا کہ جو لوگ قرآن حفظ کرنا بھی چاہتے، اُن کو مشق کرنے کا موقع نہ تھا اور اپنے حفظ کو تازہ رکھنا ممکن نہ تھا۔

لیکن حضرت عثمان کے زمانہ میں مسلمان مختلف اطراف میں منتشر ہو چکے تھے۔ وہ صحابہ بھی کہ جو قرآن کے حافظ تھے متفرق شہروں میں جا کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ تراویح تو اب سنت بن چکی تھی۔

حضرت خلیفۂ ثالث کی پالیسی میں وہ سخت گیری تھی نہیں، کہ عوام کو ایک قدم آگے بڑھانے میں بھی سزا کا اندیشہ ہوتا۔

مختلف مقامات کے مسلمانوں نے اپنی اپنی طرف کے حافظوں سے قرآن اخذ کرنا شروع کر دیا۔ اہل دمشق و حمص نے مقداد بن اسود سے، اہل کوفہ نے عبداللہ بن مسعود نے، اہل بصرہ نے ابو موسیٰ اشعری سے اس طرح

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ، ج ۲ ص ۳۲۲

حفظ قرآن کا بازار خوب گرم ہو گیا۔ لیکن ان حافظوں میں خود قرآن مجید کی ترتیب سور و آیات میں انتہائی فرق تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ جو ان سے قرآن حفظ کرتے تھے وہ بھی آپس میں مختلف تھے۔

بیشک، چونکہ صوبے مختلف تھے اور شہر جدا گانہ۔ ایک کو دوسرے کے محفوظات کا علم ممکن نہ تھا لیکن جب جہاد کا موقع ہوتا اور مختلف شہروں کے مسلمان لڑائی میں جانے کے لیے ایک جگہ مجتمع ہوتے تو آپس کے اختلافات کا علم ہوتا تھا، اور آپس میں جھگڑا ہوتا، ایک کہتا کہ میری قرأت بہتر۔ دوسرا کہتا کہ نہیں میری قرأت بہتر۔

آخر حذیفہ بن یمان نے اس صورت حال کی اطلاع بارگاہ خلافت میں دی، اور حضرت عثمان نے حکم دیا کہ ایک نسخہ مصحف کا زید بن ثابت کی صوابدید سے مرتب ہو جس کی نقلیں تمام مختلف صوبوں میں روانہ کر دی جائیں چنانچہ یہ کام انجام پذیر ہوا اور ایک کمیٹی کے اہتمام سے جس کے صدر زید بن ثابت تھے، مصحف جامع تیار ہو گیا اور اس کی سات نقلیں مختلف ممالک میں روانہ کی گئیں (۱)

اس کے بعد حفظ قرآن میں بڑی سہولت ہو گئی اور حفاظ قرآن کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی جس کا اصلی سبب نماز تراویح کی ایجاد تھی لیکن اب اس سلسلہ

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۸۵-۸۶۔

کی طرف بھی کوئی خاص توجہ نہ تھی۔

اب تو رسم، طریقہ، رواج اور پھر اُسکے ساتھ موضوع روایتیں جنکے ایجاد کرنے کا خود واضعین تنہائی کے موقع پر اقرار بھی کر لیتے تھے

ملاحظہ ہو ابن حبان کی روایت ابن مہدی سے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے پوچھا، یہ حدیثیں تم کہاں سے لائے ہو کہ جو شخص فلاں سورہ حفظ کرے اُسکا یہ درجہ ہے، جو فلاں سورہ حفظ کرے اُس کا یہ ثواب ہے۔ اُنھوں نے کہا وضعتھا ارغب الناس فیھا۔

"میں نے یہ روایتیں اس لیے گڑھ لی ہیں کہ لوگوں کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو"

دوسری روایت مومل بن اسمٰعیل کی ہے کہ مجھ سے ایک علم حدیث کے استاد نے قرآن مجید کے تمام سوروں کی فضیلت میں ابی بن کعب کی ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ مجھ سے ایک بزرگ نے مدائن میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود ہیں۔ یہ سن کر میں مدائن والے بزرگ کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھ سے ایک بزرگ نے واسط میں بیان کیا ہے جو زندہ موجود ہیں۔ میں واسط والے بزرگ کے پاس گیا۔ اُنھوں نے کہا مجھ سے ایک بزرگ نے بصرہ میں یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں بصرہ گیا۔ اُن بزرگ نے کہا کہ مجھ سے عبادان کے ایک بزرگ نے بیان فرمائی ہے۔ میں عبادان کے بزرگ کی خدمت میں گیا۔ اُن سے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث

کس نے بیان کی ہے۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لے گئے۔ وہاں کچھ اہل تصوف کا مجمع تھا اور اُن میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے پہلے بزرگ نے کہا کہ دیکھو یہ بزرگ ہیں جنھوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ حضور نے یہ حدیث کس سے سماعت فرمائی ہے۔ انھوں نے فرمایا

لم یحدثنی احد ولکنا رأینا الناس قد رغبوا عن القرآن فوضعنا لھم ھذا الحدیث لیصرفوا قلوبھم الی القرآن۔

"مجھ سے اس کو کسی نے بیان نہیں کیا ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ لوگ قرآن کے بارے میں بے توجہی کرنے لگے ہیں تو ہم نے یہ حدیث وضع کر دی تاکہ لوگوں کے دل قرآن کی طرف متوجہ ہو جائیں"

تیسری روایت حاکم نے مدخل میں ابو عمار مروزی سے نقل کی ہے کہ ابوعصمہ جامع سے پوچھا گیا کہ یہ روایت جو تم ابن مالک کی زبانی عکرمہ سے اور اُن کے واسطے سے عبداللہ بن عباس سے نقل کرتے ہو جس میں فرداً فرداً قرآنی سورتوں کی فضیلت مذکور ہے۔ یہ عکرمہ کے خاص اصحاب کے پاس دستیاب نہیں ہوتی! ابوعصمہ نے کہا

انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ ابی حنیفۃ ومغازی ابن اسحٰق فوضعت ھذا الحدیث حسبۃ۔

"واقعہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا لوگ قرآن سے روگرداں ہو گئے ہیں اور

زیادہ تر ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحٰق کی کتاب مغازی کے مطالعہ میں منہمک ہو گیا اس لیے میں نے قربۃً الی اللہ یہ حدیث وضع کر دی"۔

ابن صلاح نے لکھا ہے ولقد اخطأ الواحدی المفسر ومن ذکرہ من المفسرین فی ایداعہ تفاسیرھم۔

"واحدی اور دوسرے مفسرین نے غلطی کی ہے کہ اس موضوع حدیث کو اپنی تفاسیر میں جگہ دیدی ہے"(۱)

پھر جب واحدی ایسے مفسرین پر یہ راز منکشف نہ ہوا اور اُنھوں نے اس قسم کے احادیث کو اپنے تفاسیر میں درج کر دیا تو "وائے برحال عوام"۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حفظ قرآن ذریعۂ ثواب معیار نجات بلکہ حقیقت ایمان کی کسوٹی قرار پا گیا اور یہ خیال یہاں تک ترقی کر گیا کہ جو شخص سنت و جماعت مذہب کا پابند نہ ہو اُسے قرآن حفظ ہی نہیں ہو سکتا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حفظ کرنے کا غیر مسلم لوگوں تک نے شرف حاصل کر لیا ہے چہ جائیکہ مسلمان جو قرآن کو کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں۔

---

(۱) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۵۰۰

پانچواں تبصرہ

کتابتُ قرأت اور حفظ کے مختلف نتائج

جو چیز کسی حیثیت سے مفید ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر حیثیت سے مفید ہی ہو بلکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک حیثیت سے مفید ہیں تو کئی حیثیتوں سے مضر بھی ہیں۔

عام افراد اکثر اُس کے ایک پہلو پر نظر ڈال لیتے ہیں لیکن اُس کے دوسرے پہلوؤں پر نگاہ ڈالنا ضروری نہیں سمجھتے۔

اسلام آیا تھا اُمّی گروہ میں جو زیادہ تر کتابت و قرارت سے عاری تھے اور کسی چیز کو لکھنے اور اُس کو لکھ کر پڑھنے کے عادی نہ تھے اس لیے ذوقِ حفظ اُن میں ترقی پر تھا۔ شعرا سیکڑوں و ہزاروں شعر کے قصیدے ازبر حفظ کر لیتے تھے اور بڑے بڑے مقررین کی تقریریں زبانی سنا دیتے تھے۔

قرآن کو تواتر کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ مذہبی تعلیمات کا سرچشمہ تھا مسلمانوں کو احکامِ مذہبی اور حقائقِ اسلامی سے واقف کرنے کیلیے بھی اُن میں قرآن مجید کے شائع ہونے کی ضرورت تھی۔

اُن کی زبان عربی ہی تھی اور قرآن اُنہی کے روزمرہ اور محاورات کے

مطابق نازل ہوا تھا اس لیے وہ اگر صرف قرآن کو حفظ ہی کر لیتے تب بھی انکے ظواہر الفاظ اور مندرجہ احکام سے واقف ہو جاتے۔

لہذا اُن کو احکام سے باخبر کرنے کی صورت ہی یہی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں قرآن کو حفظ کریں۔ اور اس وجہ سے رسالتمآبؐ کی جانب سے قرآن کی تعلیم کے لیے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور مختلف اشخاص متفرق حیثیت سے جتنا ممکن ہوتا تھا قرآن مجید کے آیات کو یاد کرتے تھے۔

یقیناً اگر تعلیم اُسی وقت شائع ہوتی اور کتابت عام طور سے رائج، تو رسالتمآبؐ کی جانب سے یہی کیا جاتا کہ برابر قرآن مجید کے مختلف نسخے لکھوا کر مختلف اطراف میں روانہ کیے جاتے اور لوگوں کو پابند بنایا جاتا کہ وہ اُنہی نسخوں کے رو سے قرآن مجید کو حفظ کریں۔

بے شک رسالتمآبؐ نے سنگ بنیاد اس کا نصب کر دیا۔ اس طرح کہ خود قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوتی اُس کو فوراً لکھوا لیتے تھے اور وہ ایک مکمل صحیح نسخہ قرآن مجید کے آیات کا تھا جو آپ کے پاس محفوظ تھا اور وہی اصل ہو سکتا تھا تمام اُن نسخوں کے لیے جو بعد میں لکھوائے جاتے حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت امیرؑ نے انہی مکتوبہ آیات کو شان نزول کے مطابق ترتیب دے کر ایک مکمل مصحف تیار کر لیا اور اب مسلمانوں کے لیے یہ صاف راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ اُسی مصحف کے مطابق اپنے اپنے لیے قرآن کے نسخوں کو نقل کر لیں۔

لیکن تعلیم وکتابت کی کمی اور ذوق حفظ کی زیادتی نیز موجودہ سیاسی فضا اور اضطرابات اور اُس کے بعد جوش فتوحات و تسخیر ممالک نے الیسا ہونے دیا۔

کتابت۔ اور حفظ کو پہلو بہ پہلو رکھکر اگر عملی حیثیت سے موازنہ کیا جائے، تو دوسری صورت میں بہت سی ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جو تشتت وافتراق کا باعث اور غرض اصلی مفقود ہونے کا سبب ہیں۔

کتاب اگر ایک دفعہ لکھدی گئی اور اُس کا پورے طور سے مقابلہ کرکے تصحیح کا کام انجام دیدیا گیا تو وہ اب ہمیشہ کے لیے صحیح ہے۔ جب تک خاص طور سے کوئی اُس کو مسخ نہ کرنا چاہے وہ غلط نہ ہو جائیگی۔

لیکن حفظ ہر روز خطرہ کا مرکز ہے۔ فرض کیا جائے کہ ایک دفعہ کسی حافظ نے بڑی جانفشانی و اہتمام کے ساتھ کسی بڑے حافظ سے قرآن یاد کرکے اُس کو سُنا بھی دیا اور شروع سے آخر تک کہیں غلطی نہ ہوئی اور اُس نے تصدیق بھی کردی لیکن طبع انسانی ہر وقت معرض تغیرات و انقلابات ہے۔ ایک تھوڑے دن کے فاصلہ میں بہت جگہ و آو کی جگہ فَ اور فَ کی جگہ وَاو مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا۔

اب انسان نے جو اپنے حفظ کی رو سے پڑھا۔ گر اُس کو تردد اور شبہہ پیدا ہو گیا کہ یہاں پر واو ہے یا فَ تو خیر ممکن بھی ہے کہ وہ پھر اپنے اُستاد سے جاکر اُس کی تجدید کرے لیکن اگر غلطی نے حفظ کی صورت اختیار کرلی اور توجہ

بھی نہ ہوئی کہ یہاں کچھ کا کچھ ہو گیا تو وہ اُسی غلطی پر قائم رہ گیا۔ اُسے تو یہ
بھروسہ ہے کہ میرا حفظ معیار امتحان میں کامل ثابت ہو چکا، اُستاد کی طرف
سے سند حاصل کر چکا ہے۔ یہاں اُس میں کتنے انقلابات و تغیرات ہو گئے
ہیں جنکی اُسے خبر بھی نہیں۔

یہ صورتیں انسان کے محفوظات میں اکثر پیدا ہوتی ہیں جن کی ہر شخص
تصدیق کر سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ صدرِ اسلام میں جو حفظ قرآن پر شرعی
بن مجبوری اور آخر میں تساہل و بے پرواہی اور دوسری مصرو فیتوں کی وجہ
سے دار و مدار رکھا گیا تو قرآن کے الفاظ میں وہ اختلافات ہوئے کہ اللہ
کی پناہ جن کو بعد کے مفسرین نے قراءات سبعہ کے پردہ میں چھپایا اور یہ کہا کہ
وہ سب قراءتیں رسالتمآب صلعم کے اوپر خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور
نزل القرآن علی سبعۃ احرف میں احرف سے مراد وہی قراءتیں ہیں۔

حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے اور ان اختلافات کی ذمہ داری
کو خدا اور رسولؐ کے اوپر عائد کرنا کتاب الٰہی کی عظمت اور اسکے وقار و استحکام کے
منافی ہے۔

اُبی بن کعب اور ابن مسعود نے بے شک قلمبند صورت میں مصحف کو
ترتیب دیا تھا لیکن انھوں نے اپنے مصحف کو براہ راست رسالتمآب صلعم کے
مکتوبہ نسخہ قرآن کی رو سے نہیں لکھا تھا اور نہ اُس سے مطابق کیا تھا جبکہ

پہلے قرآن کو حفظ کیا تھا اور پھر اپنے حفظ کے مطابق اس کو قلمبند کیا تھا جس کی بنا پر جتنے اختلافات اُن کے حفظ میں تھے وہ سب اُن کے مکتوبہ صحفوں میں آگئے۔ اور کتابت کی بنا د حفظ پر قرار پانے سے کتابت کا فائدہ مفقود ہو گیا۔

یہ اختلافات اس حد پر تھے کہ حذیفہ بن الیمان کو اُس میں خونریزی و جنگ کا خوفناک مرقع دکھلائی دینے لگا اور انھوں نے حضرت عثمان کے پاس اس کی فریاد کی۔

حضرت عثمان نے ان اختلافات کے مٹانے کی تدبیر کی۔ وہی تدبیر جو اسکے بہت پہلے ہونا چاہیے تھی یعنی ایک نسخہ قرآن مجید کا لکھوا کر اُس کی نقلیں کرائی جائیں اور وہ مختلف اطراف میں روانہ کردی جائیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے اختلافات پیدا ہوئے تھے وہ اُس وقت کہ جب قرآن حفاظ قرآن کی توجہ کا مرہون تھا۔ اور اُس کی نشر و اشاعت حفظ و قرارت میں محدود تھی۔ لیکن اُس وقت سے کہ جب سے وہ پابند تحریر ہوا اور کتابت کو بنا د حفظ قرار دیا گیا۔ اُس میں تغیرات کا دروازہ بند ہو گیا بلکہ مسلمانوں نے یہاں تک اُس کی پابندی فرض سمجھی کہ املا کی غلطیاں جو اتفاق سے کاتب کی کارستانی کا نتیجہ تھیں اور شاید واضح سمجھ کر چھوڑ دی گئی تھیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے گی وہ قرآن کے رسم الخط کا جزو بن کر اب تک محفوظ رکھی گئیں۔ جیسے۔ لا اذبحنہ اور لا اوضعوا کا الف جو کوئی صحیح حیثیت نہیں رکھتا وہ اب تک

موجود ہے اور یادگار کی حیثیت سے دور اول کی تجدید کر رہا ہے۔

اس کے بعد قرأ سبعہ کے اختلافات جو پیدا ہوئے ہیں وہ بھی خط اور طریق قرأت کے اختلافات کا نتیجہ ہیں۔ جو کتابت کے نقاط و علامات اعرابی سے خالی ہونے کا نتیجہ تھے۔

اور جب سے نقاط و علامات اعراب کی وضع ہو گئی۔ اس اختلاف کا دروازہ بھی مسدود ہو گیا۔ اور قرآن مجید ایک منضبط شکل کے اوپر دنیا میں محفوظ ہے۔

مسلمانوں کا وقتاً فوقتاً کتابت کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا خود اس کی دلیل ہے کہ حفظ ہر صورت سے ورد کا درماں نہ تھا، اور اس میں خرابیاں پیدا ہوتی جا رہی تھیں۔ اور اسی لیے "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ کے اصول کے مطابق وہ صورتیں ایجاد ہوتی رہتی تھیں جن سے ان خرابیوں کا سدباب ہو۔

خود رسالتمآبؐ اور اُن کا علم پر روحانی خلیفہ اور جانشین اس صورت حال پر پہلے سے متوجہ تھے۔ چنانچہ رسالتمآبؐ نے اسی لیے کاتبان وحی کی جماعت مقرر کر کے اپنے پاس قرآن مجید کا وہ مکمل نسخہ تیار کر لیا تھا جس میں سوائے متفرق اور غیر مرتب ہونے کے اور کوئی کمی نہ تھی۔

حضرتؐ کے بعد امیر المومنینؑ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ قرآن کو یکجا صورت میں ترتیب دیدیا جس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ رأیت کتاب اللہ یزاد فیہ فحدثت نفسی أن لا البس ردائی الا للصلوٰۃ حتی اجمعہ

"میں نے دیکھا کہ قرآن میں لوگ (یادکی غلطی سے) زیادتی کر دیتے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنی ردا، سوائے حالت نماز کے دوش پر نہ ڈالوں گا جب تک کہ قرآن کو مجتمع نہ کر لوں"[1]

پھر آپ نے علم نحو کی بنیاد اسی لیے ڈالی کہ قرآن کے پڑھنے میں اعرابی غلطیوں کا سدباب ہو۔ جیسا کہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد بن انباری نے نزہتہ الالباء میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک اعرابی کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے لا یا کلہ الا الخاطئین۔ حالانکہ پڑھنا چاہیے۔ لا یا کلہ الا الخاطئون حضرت نے اسی کے بعد علم نحو کی بنیاد ڈالی۔[2]

آپ کے شاگرد خاص ابوالاسود دؤلی نے آپ کی نگرانی میں اُس کی تدوین کی اور اُس کے قواعد و ضوابط مرتب کیے اور یہی ابوالاسود وہ ہیں جنھوں نے قرآن مجید میں نقطے اور اعراب لگائے۔ اور یہ بیان کیا کہ میں نے اس کا طریقہ علی بن ابیطالبؑ سے سیکھا ہے۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپ کے وصی علی بن ابیطالبؑ اور آپ کے بااختصاص شاگرد یہ چاہتے تھے کہ قرآن مجید کی قرأت ایک مستحکم علمی بنیاد اور مضبوط اصول پر ہو اور نکس کتابت کے ساتھ قرأت ہونے سے غلطی اور بھول اچوک

(۱) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی صہ ۸۲۔ (۲) مجلہ "العیار" لکھنؤ ج ۲ صہ ۹۵۔

(۳) اصابہ۔ ج ۲ صہ ۲۴۳

کا امکان کم رہے۔

مگر افسوس ہے کہ عام افراد اس نکتہ پر متوجہ نہ ہوئے اور وہ مکتوبی صورت کے رو سے تلاوت کرنے کے بجائے زبانی قرآن حفظ کرنے اور اُس کے پڑھنے میں منہمک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے کہ انسان کو الفاظ کے خصوصیات و جزئیات۔ اور اُن کی ترکیبی ساخت و پرداخت کی طرف کوئی توجہ نہ رہے۔

انسانی افتاد طبع کی بنا پر یہ قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب تک کہ ایک چیز انسان کو زبانی رٹی ہوئی اور حفظ نہیں ہے، انسان کو اُس کے پڑھنے میں اُسکے الفاظ و معانی کے خصوصیات پر توجہ ہوتی ہے۔ یعنی اُس کا تعلق انسان کے دل و دماغ کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ لیکن اُدھر انسان نے اُس کو رٹ لیا اور حفظ کر لیا۔ اب تعلق اُس کا انسان کے دل و دماغ سے قطع ہو گیا۔ اب اُس کا تعلق براہ راست انسان کی زبان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض وقت پڑھنے کے موقع پر انسان کو کوئی توجہ اُن الفاظ کی طرف ہوتی ہی نہیں جو اُسکی زبان سے نکل رہے ہیں۔ بلکہ زبان خود ایک مرتب نظام کے اوپر ایک لفظ سے دوسری لفظ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اسلیے اکثر ایسی چیزیں انسان سوتے میں یا غفلت و بےخبری کے عالم میں پڑھ دیتا ہے اور اُسے توجہ نہیں ہوتی۔

اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اکثر اس طرح کے حافظ جب درمیان سے سلسلہ قطع ہو جائے یا اتفاق سے بھول جائیں، تو جب تک شروع سے پھر نہ پڑھیں

انھیں یاد نہیں آسکتا۔

اسی طرح کسی استشہاد کے موقع پر یا استدلال کے لیے انھیں وہ آیت پیش نظر نہیں ہوتی جو شاہد یا دلیل کے طور پر پیش ہونے کے قابل ہے۔ اس لیے کہ وہ آیت تو ایک مسلسل نظام کے اندر ہے جس کے خصوصی اجزاء پر انکی نظر نہیں ہے

ان تمام احکام سے مستثنٰی وہی حافظ ہو سکتے ہیں جنھوں نے قرآن کو تدبر کے ساتھ حفظ کیا ہو، جو رسالتمآب کی ہدایت تھی، اور جس پر آپ کا اپنے صحابہ کے لیے عملدرآمد تھا۔ آپ کبھی اس کو پسند نہ فرماتے تھے کہ آپ کے اصحاب قرآن کو سرسری طور پر حفظ کرلیں۔ بلکہ آپ کے زمانہ میں حفظ کرنے والے اصحاب خاص طور سے حفظ قرآن کیا کرتے تھے جس میں تدبر کا جوہر خاص طور پر محفوظ ہوتا تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "اتقان" میں تحریر کرتے ہیں۔ قال

ابو عبد الرحمٰن السّلمی حدّثنا الذین کانوا یقرءون القران کعثمان بن عفّان وعبد اللہ بن مسعود وغیرھما انّھم کانوا اذا تعلّموا من النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم عشر اٰیات لم یتجاوزوھا حتّٰی یتعلّموا ما فیھا من العلم والعمل قالوا فتعلمنا القراٰن والعلم والعمل جمیعا ولھذا کانوا یبقون مدّۃ فی حفظ السورۃ۔

"ابو عبد الرحمٰن سلمی کا بیان ہے کہ مجھ سے ان لوگوں نے جو رسالتمآب کے

سامنے حفظ قرآن کرتے تھے. جیسے عثمان بن عفان و عبد اللہ بن مسعود وغیرہ،
بیان کیا کہ وہ لوگ جب رسالتمآب ؐ سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کرتے تھے تو
اُن آیتوں سے آگے نہ بڑھتے تھے. جب تک وہ تمام باتیں علم و عمل کی جو اُن آیات
میں مضمر ہیں سمجھ نہ لیں، اس طرح حضرت ہم لوگوں کو قرآن اور علم اور عمل ایک ساتھ
تعلیم فرماتے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کو ایک مدت ایک سورہ کی تعلیم میں
گذر جاتی تھی"

انس کا بیان ہے کہ کان الرجل اذا قرأ البقرۃ وآل عمران جل
فی اعیننا۔

"کوئی شخص اگر سورۂ بقرہ اور آل عمران حفظ کر لیتا تھا تو وہ ہماری نظر میں
معزز ہو جاتا تھا"

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ زیادہ حفظ کرنے کے بجائے اس کو بہتر سمجھتے تھے
کہ جتنا حفظ کرے اُس کو تمام معانی و حقائق کے ساتھ محفوظ کرے اور صرف
ظاہری حفظ قرآن پر اکتفا نہ ہو۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کے لوگوں نے اس جوہر کو گم کر دیا اور اُن کی تمام
توجہ صرف الفاظ کی طرف مبذول ہو گئی۔ ظاہر پرست حکام نے اُن کی ہمت افزائی کی
چنانچہ سید مرتضیٰ زبیدی اپنی کتاب (اتحاف السادۃ المتقین بشرح
احیاء علوم الدین) مطبوعۂ مصر ج ۱ ص ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔

منها انہ جمع من القرّاء ثلثین رجلاً فکانوا یعدون حروف المصحف وکلمہ منتھا اور اھم عمر او عثمان او علیؓ یصنعون ھذا لاوجعھم ضربا۔

"حجاج بن یوسف ثقفی کی بدعتوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تیس آدمی حافظوں میں سے جمع کیے جو ایک مہینہ تک قرآن کے حرفوں اور لفظوں کا شمار کرتے رہے حالانکہ اگر حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ ایسا کرتے دیکھتے تو سخت سزا دیتے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معانی زینت طاق نسیاں بن گئے اور الفاظ قرآن کے ظاہری حافظ ہر طرف کثرت سے نظر آنے لگے۔

چھٹا تبصرہ

حفظ قرآن کے بارے میں شیعوں کی کم توجہی کے وجوہ

اور

معانی قرآن میں شیعوں کے خدمات

گذشتہ حصہ کتاب میں حفاظ قرآن کی کثرت کے اسباب اور حفظ قرآن کی اہمیت و افادیت کے متعلق جو تبصرے لکھے گئے ہیں انہی سے یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ شیعوں میں

الفاظ قرآن کے زبانی حفظ کے متعلق پوری توجہ کیوں نہیں کی ؟

واقعہ یہ ہے کہ حفاظ قرآن کی کثرت کا اصلی سبب نماز تراویح کا ایجاد ہونا تھا شیعہ نماز تراویح کو بدعت سمجھتے تھے - دوسرا سبب دنیاوی حکام کا قرآن کے الفاظ پر زیادہ توجہ صرف کر کے حفاظ کی ہمت افزائی کرنا تھا۔ شیعہ ہمیشہ اُن حکام کے طرز عمل کو مشکوک نظر سے دیکھتے تھے اور اُن کے کسی طرز عمل کو اسلام کی خیر خواہی پر محمول نہ سمجھتے تھے۔ آئمہ معصومین نے جن کے اقوال وہدایات پر شیعوں کا عمل رہا کیا، اپنے پیش رو اور مورث اعلیٰ حضرت رسول اکرمؐ کی پیروی میں صرف الفاظ قرآن کے حفظ کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ زیادہ توجہ معانی پر مبذول رکھی۔ اس کے بعد شیعوں کو حفظ قرآن کی طرف زیادہ توجہ ہوتی تو کیوں ؟

بیشک قرآن کی معنوی حیثیت سے جو حقیقتاً اہم درجہ رکھتی ہے شیعوں نے وسیع خدمات انجام دیئے۔

علامۃ الدہر آقا سید حسن صدر دام ظلہٗ کی کتاب "الشیعہ وفنون الاسلام" میں پہلی فصل "تقدم الشیعۃ فی علوم القرآن" ہی کے بارے میں ہے۔ جس میں ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے متعلق جتنے علوم وفنون ہیں سب میں تقدم کا سہرا شیعوں کے سر ہے۔

تفسیر کا علم جو ان میں سب سے اہم ہے اُس میں سب سے پہلے مصنف سعید بن جبیر

تابعی ہیں جن کو حجاج بن یوسف نے بجرم تشیع شہید کیا تھا۔ ان کا تفصیلی تذکرہ بضمن حفاظ قرآن اس کتاب میں آئندہ آئیگا۔

سدی کبیر اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن کوفی بھی اگرچہ ہمارے علماء کو اُن کے تشیع میں تامل ہے .... لیکن ابن قتیبہ کی کتاب معارف میں اُن کے شیعہ ہونے کی تصریح ہے۔

نیز محمد بن سائب بن بشر کلبی بھی شیعہ تھے اور سمعانی نے کتاب الانساب میں اُن کے تشیع کی تصریح کی ہے۔ ان کی تفسیر کتب تفاسیر میں خاص اہمیت رکھتی ہے اور احکام القرآن میں یہ سب سے پہلے مؤلف ہیں۔

جابر بن یزید جعفی نے جو امام محمد باقرؑ کے اصحاب میں سے تھے تفسیر قرآن تحریر کی اور ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہے۔

یہ لوگ وہ ہیں جن کے پہلے تفسیر قرآن کی تصنیف کے راستہ میں کسی غیر کے قدم نہیں ہیں۔

غریب القرآن یعنی قرآن مجید کے لغات کی شرح میں سب سے پہلے مصنف ابان بن تغلب ہیں جن کا تذکرہ حفاظ قرآن کے ذیل میں آئے گا۔

ابو جعفر رواسی۔ ابو عثمان مازنی۔ قرآء علی بن محمد سمیساطی۔ ابن درید کوفی۔ بھی وہ لوگ ہیں جو اس سلسلہ میں تقدم کا درجہ رکھتے ہیں۔

معانی قرآن میں بھی ابان بن تغلب مقدم ہیں اور ابو جعفر رواسی و فرّاء

نے اسمیں تصنیف کی خدمت انجام دی ہے۔

ناسخ و منسوخ قرآن میں عبداللہ بن عبدالرحمن اصم مسمعی بصری پہلے مصنف ہیں۔ یہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے، اور دارم بن قبیصہ بن نہشل بن مجمع تمیمی دارمی جو امام رضاؑ تک کی ملاقات سے شرفیاب ہوتے ہیں۔ ان حضرات کے پہلے کوئی شخص ناسخ و منسوخ کا مصنف نظر نہیں آتا۔

نوادر قرآن کے مصنفین علی بن ابراہیم قمی، علی بن حسن بن فضال، ابو نصر عیاشی۔ فہرست ابن ندیم میں ان کا تذکرہ موجود ہے اور لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے

متشابہ قرآن میں پہلے مصنف حمزہ بن حبیب زیات کوفی ہیں جو امام جعفر صادقؑ کے صحابی اور شیعہ تھے۔

ان کے بعد دوسرے علمار نے بھی اس فن میں تصانیف لکھے ہیں جیسے محمد بن احمد وزیر جو شیخ طوسی کے معاصر تھے اور علامہ ابن شہر آشوب جن کی کتاب متشابہات القرآن ہماری بھی نظر سے گذری ہے۔

مجازات القرآن میں سب سے پہلے مصنف فرار یحییٰ ابن زیاد نحوی ہیں جنکے تشیع کا اعتزال کے نام سے سیوطی نے بھی اقرار کیا ہے۔

علامہ سید رضی جامع نہج البلاغہ کی کتاب اس سلسلہ میں بے بہا درجہ رکھتی ہے۔

امثال القرآن میں سب سے پہلا نام محمد بن محمد بن جنید کا نظر آتا ہے اور انکے پہلے کوئی معلوم نہیں ہوتا۔

صدر اوّل کے بڑے مفسر ترجمان القرآن امام المفسرین عبداللہ بن عباس تھے جن کا تذکرہ حفاظ شیعہ کے ذیل میں اس کتاب میں آئے گا۔

طاؤس۔ اعمش۔ سعید بن مسیب۔ حمران بن اعین۔ ابوحمزہ ثمالی۔ ابوبصیر اسدی۔ حصین بن مخارق ابوجنادہ سلولی۔ ابوالحسن کسائی یہ سب پہلی صدی کے مفسرین ہیں، جو ائمہ فن شمار کیے جاتے تھے، اور وہ سب شیعہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

پھر محمد بن خالد برقی اور اُن کے بھائی حسن بن خالد۔ علی بن حسن بن فضال۔ ابراہیم بن محمد بن سعید ثقفی کوفی۔ علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی۔ علی بن بابویہ قمی۔ شیخ محمد بن حسن بن احمد بن ولید۔ شیخ فرات بن ابراہیم۔ ابن دول قمی۔ ابوالفضل سلمہ بن خطاب۔ محمد بن ابراہیم بن جعفر ابوعبداللہ کاتب نعمانی۔ محمد بن عباس بن علی بن مروان معروف بابن الحجام تیسری اور چوتھی صدی کے اشخاص ہیں جنھوں نے تفسیر قرآن میں کارنمایاں انجام دیے ہیں۔

وسطی طبقہ میں جو علماء کا تھا شیخ محمد بن حسن شیبانی کی کتاب "نہج البیان عن کشف معانی القرآن"۔ شیخ مفیدؒ کی کتاب "البیان فی انواع علوم القرآن"۔ شیخ محمد بن احمد بن ابراہیم صابونی کی کتاب "معانی تفسیر القرآن"۔ اس شعبہ میں خاص درجہ رکھتی ہیں۔

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی جو عام طور پر شیخ طوسی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اُن کی کتاب "تبیان فی علوم القرآن" دس جلدوں میں تھی۔

جن میں سے بعض مجلدات عراق اور ایران میں موجود ہیں۔ اور سید رضی جامع نہج البلاغہ کی کتاب "حقائق التنزیل و دقائق التاویل" حقائق علوم قرآن پر ایک گرانمایہ ذخیرہ ہے جس کا مثل و نظیر موجود نہیں ہے۔ اس کے بھی بعض مجلدات قلمی حیثیت میں عراق میں موجود ہیں۔

ابوالفتوح رازی کی کتاب "روض الجنان فی تفسیر القرآن" بیس جلدوں میں ہے، اور تمام علوم قرآن کی جامع ہے۔ اور امین الاسلام ابو علی طبرسی کی کتاب "مجمع البیان" مطبوعہ حیثیت سے موجود ہے۔ قطب الدین راوندی کی کتاب "خلاصۃ التفاسیر" بیس حصوں میں ہے جس کی نسبت علامہ سید حسن صدر تحریر فرماتے ہیں "من احسن التفاسیر المتاخرۃ عن الشیخ ابی جعفر الطوسی"۔ وہ شیخ طوسی کے بعد کی بہترین تفسیروں میں سے ہے۔"

سید ہاشم بحرینی کی کتاب "البرہان فی تفسیر القرآن"۔ اور سید محسن فیض کاشانی کی تفسیر "صافی" اور "اصفی"۔ شیخ فتح اللہ شیرازی کی تفسیر "منہج الصادقین" اور "خلاصۃ المنہج" مشہور و معروف اور شائع و ذائع ہیں۔

جد اعلیٰ جنت مآب سید تقی صاحب قبلہ کی کتاب تفسیر "ینابیع الانوار" بے مثیل تفسیر ہے، جو اگر تمام ہو گئی ہوتی تو علوم و حقائق قرآن کا ایک خزانہ عامرہ تھی۔

اور موجودہ زمانہ میں نجف اشرف کے مشہور عالم آقا شیخ جواد بلاغی طاب ثراہ نے "الاء الرحمن فی تفسیر القرآن" لکھنا شروع کی تھی جس میں اختصار کے ساتھ

موجودہ ضرورت زمانہ اور شکوک و شبہات کا استیصال مدنظر رکھا ہے۔ لیکن اُس کی صرف ایک جلد شائع ہو سکی اور موصوف کا انتقال ہو گیا۔

یہ ہیں شیعی خدمات جو قرآن کی افادی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کسی طرح سبک نہیں سمجھے جا سکتے۔ رہ گیا قرآن کے الفاظ کا حفظ، وہ قرآن کی افادی حیثیت میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ اگر اس میں شیعوں کی طرف سے کوتاہی ہوئی ہو تو وہ سرزنش کی مستحق نہیں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعی فرقے نے اس شعبہ میں بھی اپنے تئیں عاجز و درماندہ ثابت نہیں ہونے دیا، اور وہ شروع اسلام سے ہر دور میں حفاظ قرآن کی اتنی جماعت پیدا کرتا رہا جو اگر اکیلی ہوتی تب بھی تواتر کے مقصد کو حاصل کر سکتی تھی۔

یہ تھے وہ تبصرے جنکو اصل مقصد کے شروع کے قبل ذکر کرنا ہم کو ضروری معلوم ہوتا تھا۔

اصل کتاب کا افتتاح

تذکرہ حفاظ شیعہ

اس تذکرہ کو پہلے ہم نے "علم رجال" کی کتابوں کے طریقہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دینا چاہا تھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ سوائے نام ڈھونڈھنے کی سہولت کے اور کسی خاص مقصد پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہتر صورت یہ ہے کہ کتاب کو تاریخی حیثیت سے وقت و زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے اور ہر دور کے حفاظ ایک ساتھ ترتیب زمانی کا لحاظ کرتے ہوئے درج کیے جائیں۔

پہلی سہولت کے لحاظ سے ایک فہرست آخر میں حروف تہجی کی ترتیب پر شامل کیجا سکتی ہے جس سے نام ڈھونڈھنے میں آسانی ہوگی۔

پہلی صدی ہجری کے حفاظ

(۱)

ابی بن کعب انصاری

کنیت ابو الطفیل اور ابو المنذر تھی۔ رسالتمآب کے صحابہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے

عقبۂ ثانیہ میں رسالتمآب ؐ کی بیعت کی اور جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے۔

كان احد فقهاء الصحابة واقرأهم لكتاب الله روي عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اقرأ امتي ابي وروي عنه انه قال له امرت ان اقرأ عليك القرآن او اعرض عليك القرآن قال الله سماني لك قال نعم فجعل ابي يبكي۔

یہ اُن صحابہ میں سے ہیں جو فقہ میں مہارت رکھتے تھے اور حفظ قرآن میں سب کے اوپر فوقیت رکھتے تھے۔ جناب رسالتمآب ؐ کا ارشاد تھا کہ میری امت میں سب سے بڑا حافظ ابی ہے نیز رسالتمآب ؐ سے روایت ہے کہ آپ نے ابی سے فرمایا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں قرآن تم کو پڑھ کر سنایا کروں (تاکہ تمھیں یاد ہو) ابی نے عرض کیا کہ خدا نے میرا نام لیا ہے؟ حضرت ؐ نے فرمایا ہاں، یہ سنکر ابی رونے لگے۔

حضرت عمر آپ کے حفظ قرآن کے بڑے معتقد تھے۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ

روينا عن عمر من وجوه انه قال اقضانا علي واقرأنا ابي۔

حضرت عمر سے متعدد طرق سے یہ روایت ہمکو پہونچی ہے کہ آپ نے کہا ہم میں علم قضا کے سب سے بڑے ماہر علی ابن ابیطالب اور حفظ قرآن میں سب سے بڑے ابی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔

كان عمر يسميه سيد المسلمين	حضرت عمر ان کو سید المسلمین (تمام مسلمانوں کا
ويقول اقرأنا ابي وروى	سردار) کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم میں
ذلك عن النبي صلى الله	سب سے بڑے حافظ ابی ہیں اور یہ رسالتمآب
عليه وسلم ايضا و	سے بھی منقول ہے۔ ائمہ محدثین نے ان کے
اخرج الائمة احاديثه في	روایات صحاح میں درج کیے ہیں اور مسروق نے
صحاحهم وعده مسروق	ان کو ان چھ صحابیوں میں شمار کیا ہے
في الستة من اصحاب الفتيا	جو فتویٰ دیتے تھے صحابہ میں سے حضرت عمر
روى عنه من الصحابة	ان سے روایت کرتے ہیں، اور مشکل مسائل
عمر كان يسأله عن النوازل	میں ان سے رجوع بھی کرتے اور دشوار قضیوں
ويتحاكم اليه في المعضلات	میں انکے فیصلہ کے پابند ہوتے تھے۔

دمیری نے حیوۃ الحیوان[1] میں جو حفاظ قرآن کی فہرست لکھی ہے اُس میں بھی ان کا نام سب سے پہلے ہے۔

من جمع القرآن حفظا على عهد رسول الله ابي بن كعب ومعاذ بن جبل وابو زيد الانصاري وابو الدرداء وزيد بن ثابت وعثمان بن عفان وتميم الداري وعبادة بن الصامت وابو ايوب الانصاري۔

(۱) طبع مصر ج ۱ ص ۲۹۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا تھا رسالتمآب کے سامنے"۔
نقیب دیار مصر سید محمد علی ببلاوی اپنی کتاب "التعریف بالنبی والقرآن الشریف"[1] میں لکھتے ہیں۔

کان عمر بن الخطاب یسألہ فی النوازل ویتحاکم الیہ فی المعضلات وکان یسمیہ سید المسلمین وسید القراء۔

حضرت عمر مشکل مسائل میں اُن سے دریافت کرتے تھے اور سخت مقدمات میں اُن سے فیصلہ کرتے تھے اور آپ انھیں سید المسلمین اور سید القراء کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اسی کتاب میں دوسرے موقع پر[2] ان کو ایسے حفاظ میں شمار کیا ہے جن کے کمال پر تمام صحابہ کا اتفاق تھا۔

ان کا شیعہ ہونا ہمارے یہاں بالکل مسلّم ہے۔ ابتدائی دور خلافت میں وہ ۱۲ آدمی جنھوں نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر حق کی آواز کو بلند کیا تھا۔ اُنمیں ابی بن کعب ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد برقی متوفی ۲۷۴ھ کی کتاب الرجال میں ان لوگوں کا تذکرہ موجود ہے، اور اُنکی تقریریں بھی درج کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

(اسماء المنکرین علی ابی بکر وھم اثنا عشر رجلا ستۃ

(۱) مطبوعۂ مصر ص۲۴ (۲) ص۸۲

من المهاجرین وستة من الانصار۔

"وہ لوگ جنھوں نے خلافت اولیٰ پر اعتراض کیا تھا، بارہ اشخاص تھے۔ چھ مہاجرین میں سے اور چھ انصار میں سے"

مہاجرین میں سے ابوذر غفاری، سلمان فارسی، خالد بن سعید بن عاص۔ مقداد بن اسود۔ بریدہ اسلمی۔ عمار بن یاسر۔

انصار میں سے خزیمہ بن ثابت، سہل بن حنیف۔ ابو الہیثم ابن تیہان، قیس بن سعد بن عبادہ، ابی بن کعب، ابو ایوب انصاری۔

یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نماز جمعہ کے بعد مسجد نبوی کے اندر مسلمانوں کے بھرے مجمع میں صورت حال پر احتجاج اور تبلیغ حق کے فریضہ کو انجام دیا۔

ان لوگوں کی تقریریں اس موقع کی اب تک محفوظ ہیں۔

چند آدمیوں کی تقریروں کے بعد ابی بن کعب کھڑے ہوئے تھے اور انھوں نے کہا۔

اشهد انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله یقول علیؑ بن ابیطالب امامکم بعدی وهو الناصح لامتی۔	میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ میں نے رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی بن ابیطالبؑ تمھارے امام ہیں میرے بعد اور وہی میری امت کے خالص رہنما ہیں۔

علامہ صدوق محمد بن بابویہ قمی کی کتاب امالی اور علامہ حلی کی کتاب خلاصہ سے بھی ان کی جلالت قدر اور رفعت مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے۔

علامہ سید علیخاں مدنی کی کتاب (الدرجات الرفیعہ فی طبقات الشیعہ) میں
ان کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اُس میں ابی بن کعب کی یہ روایت بھی درج ہے

قال مررت عشیۃ یوم السقیفۃ بحلقۃ الانصار فسئلونی من این مجیئک قلت من عند اھل بیت رسول اللہؐ قالوا کیف ترکتھم وما حالھم قلت وکیف تکون حال قوم کان بیتھم الی الیوم موطئ جبرئیل ومنزل رسول رب العالمین وقد زال الیوم ذلک وذھب حکمھم عنھم ثم بکی ابیؓ وبکی الحاضرون

میں سقیفہ کے دن شام کے وقت انصار کے گروہ میں پہونچا تو اُنھوں نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا رسالتمآبؐ کے گھرانے والوں کے پاس سے۔ اُنھوں نے کہا کہ بتاؤ تو اُن کا کیا حال ہے اور کس عالم میں تم نے اُن کو چھوڑا؟ میں نے کہا تم ہی سمجھ لو کیا عالم ہوگا اُن لوگوں کا جن کا گھر اب تک جبرئیل کی فرودگاہ اور رسولؐ کی قیامگاہ تھا اور آج وہ بات جاتی رہی اور حکومت بھی اُن سے نکال لی گئی۔ یہ کہکر ابی رونے لگے اور جتنے لوگ تھے وہ سب بھی رونے لگے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے کتاب فصول مختارہ میں جو اُن کے اُستاد شیخ مفیدؒ کی کتاب "العیون والمحاسن" کے انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ لکھا ہے کہ ابی بن کعب مسجد نبوی میں بلند آواز سے کہتے تھے کہ الا ھلک اھل العقدۃ واللہ ما اسی علیھم وانما اسی علی من یضلون من بعد۔" ہلاک ہوئے

قرارداد کرنے والے! خدا کی قسم مجھے ان پر افسوس نہیں آتا، بلکہ افسوس آتا ہے، اُن لوگوں کے حال پر جو آئندہ نسلوں میں ان کے ہاتھ سے گمراہ ہونگے"

فقیل یا صاحب رسول اللہ من ھؤلاء اھل العقدۃ وما عقدتھم

دریافت کیا گیا کہ اے صحابی پیغمبر یہ قرارداد کرنے والے کون ہیں اور ان کی قرارداد کیا ہے"

ابی بن کعب نے کہا،

قوم تعاقدوا بینھم ان مات رسول اللہ لم یورثوا احدا من اھل بیتہ ولا یولوھم مقامہ۔

"یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرارداد کر لی تھی اپنے درمیان میں کہ اگر رسالتمآب کا انتقال ہو جائے تو اُن کے اہلبیت میں سے کسی کو میراث ملنے نہ دیں گے اور نہ اُن کو آپ کی جگہ پر بیٹھنے دینگے"۔

یہ مناظرہ یا کسی اختلافی مسئلہ کی تحقیقات کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی و علمی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اپنے معتبر روایات کو ہم نے بیان واقعات کے طور پر درج کر دیا۔

سواد اعظم کے کتب میں بھی ایسے امور کا پتہ چلتا ہے جنسے مذکورۂ بالا روایات کی تائید ہوتی ہے۔

مورخ ابوالفدا نے صاف صاف ان کا نام اُن لوگوں کی فہرست میں

درج کیا ہے جو حضرت ابوبکر کی بیعت سے علیحدہ ہو گئے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔[1]

اتال الناس علیه یبایعونه خلا جماعة من بنی هاشم والزبیر وعتبة بن ابی لهب وخالد بن سعید بن العاص والمقداد بن عمرو وسلمان الفارسی وابی ذر وعمار بن یاسر والبراء بن عازب وابی بن کعب ومالوا مع علیؑ بن ابیطالبؑ۔

"لوگ آپ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے لیکن کچھ لوگ بنی ہاشم میں سے اور زبیر اور عتبہ ابن ابولہب اور خالد بن سعید بن عاص اور مقداد اور سلمان اور ابوذر اور عمار اور براء ابن عازب اور ابی بن کعب ان لوگوں نے علی بن ابیطالب کا ساتھ دیا"

طبری نے مبہم طریقہ سے لکھا ہے کہ

قالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیاً۔

"سب نے یا بعض نے انصار میں سے کہا کہ ہم سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے"

کامل ابن اثیر میں بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے۔

ان سلمان والزبیر والانصار کان هواهم ان یبایعوا علیاً علیه السلام بعد النبیؐ۔

(۱) تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر۔

"مسلمان، زبیر اور انصار کی خواہش تھی کہ وہ رسالتمآبؐ کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کریں"

یقیناً ان سب یا بعض میں ابی ابن کعب کو خاص درجہ حاصل ہے۔

حافظ نسائی نے قیس بن عباد سے نقل کیا ہے کہ(۱)

بینا انا فی المسجد فی الصف المقدم فجبذنی رجل من خلفی جبذة فنحانی وقام مقامی فوالله ما عقلت صلاتی فلما انصرفت اذا هو ابی بن کعب فقال یا فتی لا یسوءك ان هذا عهد من النبیؐ الینا ان نلیه ثم استقبل القبلة فقال هلك اهل العقد ورب الكعبة ثلثا ثم قال والله ما اسی علیهم ولكن اسی علی من اضلوا قلت ما تعنی باهل العقد قال الامراء۔

"میں مسجد میں پہلی صف میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ کو کھینچا اور مجھے ہٹا کر خود میری جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ جب میں نماز پڑھ چکا، تو دیکھا کہ وہ ابی بن کعب تھے۔ کہنے لگے۔ اے صاحبزادے، تم کو ناگوار نہ ہو کہ میں نے ایسا کیا۔ یہ رسالتمآبؐ کا عہد ہے کہ یہ جگہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔ پھر انھوں نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور تین مرتبہ کہا کہ ہلاک ہو گئے قرارداد کرنے والے۔" پھر کہا۔ بخدا مجھے ان پر افسوس نہیں آتا بلکہ اُن لوگوں پر افسوس آتا ہے جو ان کے ہاتھوں

(۱) سنن نسائی ص ۱۳۵ مطبوعہ کانپور

گمراہ ہوں گے۔ میں نے کہا قرار داد کرنے والوں سے آپ کا کیا مقصود ہے اُنھوں نے کہا حکام لوگ۔

یہ روایت بہت قریب ہے اُس روایت سے جو سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب سے اس کے قبل درج کی گئی تھی۔

ابی بن کعب کا حضرت خلیفۂ ثانی کے ساتھ اتحادِ عمل اور مشکل مسائل میں امداد دینا وہی حیثیت رکھتا ہے جسطرح خود امیر المومنینؑ مشکل مسائل میں امداد دیا کرتے تھے۔

نمازِ تراویح کے امام ہونے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا۔ اس لیے کہ جب تک آپ کے حقیقی پیشوا امیر المومنینؑ کا اسلام کے اجتماعی مفاد کی غرض سے یہ مسلک تھا کہ شاہی اقدامات میں مداخلت نہ کی جائے اُس وقت تک آپ کے متبعین کے لیے بہر حال احکام سلطانی کو تسلیم کرنا ضروری تھا آپ کے لیے امام کی حیثیت سے نماز پڑھانا نماز نافلہ ادا کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تشریع و بدعت کی ذمہ داری اُن لوگوں کے احساس کے قابل ہے جو ماموم کی حیثیت سے اقتدا کر کے نافلہ کو جماعت سے ادا کرنے کے مرتکب تھے۔ یا ممکن ہے آپ کا خیال اُس وقت یہی ہو کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کوئی اہم مذہبی مسئلہ نہ تھا بلکہ فروعی حکم ہے اور ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں نظری حیثیت رکھتا ہو۔

آپ کے وہ واقعات جو حضرت خلیفۂ ثانی کے ساتھ گذرے ہیں اور اُن الفاظ سے جو آپ کی طرف سے اکثر کہے گئے ہیں، یہ حقیقت ظاہر ہے کہ آپ کی نظر میں کوئی روحانی عظمت اپنے مخاطب کی نہ تھی۔

ملاحظہ ہوں کنز العمال کی حسب ذیل روایتیں۔

عن ابی امامة ومحمد بن ابراهیم التیمی قالا مر عمر بن الخطاب برجل وهو یقرأ والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان فوقف عمر فقال انصرف فانصرف الرجل فقال من اقرأک هذا قال اقرأنیها ابی بن کعب قال فانطلق الیه فانطلقنا الیه فقال یا ابا المنذر اخبرنی هذا انک اقرأتنه هذه الآیة قال صدق تلقیتها من فی رسول الله

حضرت عمر کا ایک شخص کی طرف سے گزر ہوا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا والسابقون الاولون الخ۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا ذرا ادھر تو آؤ۔ وہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تمھیں یہ کس نے یاد کرایا ہے اُس نے کہا مجھے ابی بن کعب نے یاد کرایا ہے۔ یہ سنکر آپ نے فرمایا کہ چلو ابی بن کعب کے پاس وہ آپ کو لے کر ابی کے پاس آیا آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ تم نے اسے یہ آیت تعلیم کی ہے۔ ابی نے کہا سچ کہتا ہے میں نے یہ آیت رسالتمآبؐ کے دہن سے سُنی ہے۔ حضرت عمر نے (تعجب سے) کہا تم نے اس کو رسول خدا محمد مصطفےٰ کے

قال عمر انت تلقيتها من فی محمد رسول الله قال نعم وفی الثالثة قال وهو غضبان نعم والله لقد انزلها الله علی جبرئیل وانزلها جبرئیل علی قلب محمد ولم یستأمر فیها الخطاب ولا ابنه فخرج عمر رافعا یدیه وهو یقول الله اکبر الله اکبر۔

دہن سے سنا ہے؟ ابی نے کہا ہاں اور تیسری بار پوچھنے پر بڑے غصہ سے کہا کہ ہاں خدا کی قسم اس کو خدا نے جبرئیل پر اور جبرئیل نے محمد مصطفےٰ کے قلب پر نازل کیا۔ بیشک خطاب اور اُس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا (اتنا قصور ضرور ہوا) یہ سُنکر حضرت عمر وہاں سے باہر نکلے اس طرح کہ دونوں ہاتھ اپنے آسمان کی طرف اُٹھائے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر۔

(کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔ ج ۱ ص ۲۸۵)

دوسری روایت

عن ابن جریج عن عمرو بن دینار قال سمعت بجالة التمیمی قال وجد عمر بن الخطاب مصحفا فی حجر غلام فی المسجد فیه النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم وهو ابوهم

حضرت عمر نے مسجد نبوی میں ایک لڑکے کے پاس ایک مصحف دیکھا، جس میں یہ آیت تھی کہ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وھو ابوھم۔ آپ نے فرمایا اے لڑکے اس (وھو ابوھم) کے ٹکڑے کو چھیل دے۔ اُس نے

فقال احککها یا غلام فقال
واللہ لا احکها وهی فی مصحف
ابی بن کعب فانطلقوا الی
ابی فقال له ابی شغلنی القرآن
وشغلك الصفق بالاسواق
(ج ۲ ص ۴۲۹)

کہا یہ نہیں ہو سکتا یہ ابی بن کعب کا مصحف ہے
آپ فوراً ابی کے پاس پہونچے اور اُن سے
دریافت کیا۔ انھوں نے کہا ہاں قرآن حفظ
کرنے میں مصروف رہتا تھا اور
تم کو بازاروں میں خرید و فروخت کرنے
سے فرصت نہ تھی۔

تیسری روایت۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب
رد علی ابی بن کعب قراءة
آیة فقال ابی لقد سمعتها
من رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم وانت یلهیك
یا عمر الصفق بالبقیع فقال
عمر صدقت۔

حضرت عمر نے ابی بن کعب پر کسی آیت
کی قرائت کے متعلق اعتراض کیا تو
ابی نے کہا کہ میں نے اس کو رسالتمآب
سے خود سنا ہے اور تم کو بقیع کے بازار
میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی
حضرت عمر نے کہا یہ تم ٹھیک
کہتے ہو۔

چوتھی روایت

عن ابی ادریس الخولانی
ان ابی بن کعب قال لعمر واللہ

ابو ادریس خولانی کا بیان ہے کہ ابی بن کعب
نے حضرت عمر سے کہا خدا کی قسم تم کو معلوم ہے

یا عمر انک لتعلم انی کنت احضر و تغیبون و ادنی و تحجبون و یصنع بی و یصنع بی۔

کہ میں رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور تم لوگ موجود نہوتے تھے۔ اور میں قریب بلایا جاتا تھا اور تم لوگ روکے جاتے تھے اور میرے ساتھ یہ سلوک ہوتا تھا۔ یہ سلوک ہوتا تھا (بہت کچھ ابی نے بیان کیا)۔

پانچویں روایت

عن ابن عباس قال بینا انا اقرأ اٰیۃ من کتاب اللہ فی سکۃ من سکک المدینۃ اذ سمعت صوتا من خلفی اتبع یا ابن عباس اتبع یا ابن عباس یعنی اسند فالتفتّ فاذا عمر بن الخطاب فقلت اتبعک علی ابی بن کعب فقال لمولی اذھب الی ابی فقل لہ انت اقرأتہ ھذہ الآیۃ فانطلقنا الی ابی

ابن عباس کا بیان ہے کہ میں مدینہ کی ایک گلی میں ایک آیت کلام پاک کی پڑھتا ہوا جارہا تھا، میں نے اپنے پیچھے سے آواز سُنی کہ سند بتاؤ اے ابن عباس سند بتاؤ میں مُڑا تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر ہیں۔ میں نے کہا میں آپ کو ابی بن کعب کا حوالہ دیتا ہوں، یہ سُنکر آپ نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ جا ابی کے پاس اور اُن سے دریافت کر کہ کیا تم نے ان کو یہ آیت یاد کرائی ہے۔ ہم ابی کے پاس گئے، ابھی

فاتانا ليا به اذ جاء عمر فاستاذن
فاذن له فدخلنا على ابيّ وجارية
له تدري راسه بمدرى فطرح لعمر
وسادة من ادم فجلس عليها وابي
مقبل بوجهه على حائط وظهره
الى عمر فالتفت الينا عمر فقال ما
يرانا هذا شيئا ثم اقبل ابي عليه
بوجهه فقال مرحبا يا امير المؤمنين
أزائرا جئت ام طالب حاجة
فقال لا بل طالب حاجة علام تقنط
الناس يا ابي قال ولكن
آية فيها شدة فقال ابيّ
اني تلقيت القرآن ممن تلقاه
من جبريل وهو رطب
فصفق عمر وقام وهو يقول
والله ما انت بمنته وما انا بصابر
والله ما انت بمنته وما انا بصابر

میں اُن کے دروازہ پر پہونچا تھا کہ
خود حضرت عمرؓ آ گئے اور اندر آنے
کی اجازت مانگی۔ ابی نے اجازت
دی، ہم لوگ ابی کے پاس پہونچے،
ایسی حالت میں کہ کنیز اُن کی اُن کے
سر میں کنگھی کر رہی تھی۔ حضرت عمر
کے لیے ایک چمڑے کا ٹکڑا بیٹھنے کے
لیے ڈال دیا گیا، آپ اُس کے اوپر
بیٹھ گئے، اور ابی بن کعب ایک
دیوار کی طرف منھ کیے بیٹھے تھے اسی طرح
بیٹھے رہے اور اُن کی پشت حضرت عمر
کی طرف تھی یہ دیکھ کر حضرت عمر نے رخ
کیا ہماری طرف اور کہا دیکھو تو یہ شخص
(ابی) ہمکو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔ تھوڑی دیر
میں ابی بن کعب نے رخ کیا حضرت عمر
کی طرف اور کہا۔ خوش آمدید خلیفۃ المسلمین
اسوقت کہاں آنا ہوا، صرف ملاقات

کے لیے یا کوئی حاجت لے کر؟ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں۔ حاجت ہی لے کر آیا ہوں۔ آخر تم لوگوں کو (رحمت خدا سے) مایوس کیوں کرتے ہو؟ ابیؓ نے کہا اچھا شاید کوئی آیت آپ نے سُنی ہے جو سخت ہے! معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے قرآن کو حاصل کیا ہے اس شخص (رسولؐ) سے کہ جس نے تازہ تازہ اُس کو جبرئیل امین سے حاصل کیا تھا؟ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کھڑے ہوگئے یہ کہتے ہوئے کہ قسم خدا کی تم کسی طرح باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔ تم کسی طرح باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔"

(ان تینوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۱، صفحہ ۳۰)

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کس قدر صاف گو تھے اور حقیقت امر کے اظہار میں بڑی طاقت سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

آپ کی وفات سنہ ۱۹ھ میں ہوئی ہے اور سنہ ۲۰ھ، سنہ ۲۲ھ کے متعلق بھی بعض راویوں کا بیان موجود ہے۔ بہر حال آپ کا انتقال خلافت حضرت عمرؓ میں ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چوتھا قول یہ ہے کہ آپ نے بزمانہ خلافت حضرت عثمان سنہ ۳۲ھ میں انتقال کیا۔

(۱) اتقان وغیرہ کی وہ روایت جس میں یہ ہے کہ جب حضرت عثمان کے پاس مصاحف کا مقابلہ ہو رہا تھا تو آپ نے لم یتسن۔ فامهل الکافرین اور لا تبدیل للخلق کے الفاظ کو ابی بن کعب کے پاس تحقیق کے لیے بھیجا،

انھوں نے قلم و دوات منگوا کر للخلق کی لفظ میں ایک لام چھیل کر یخلق اللہ بنا دیا
اور فاصحل کو چھیل کر فصل بنا یا اور لم تلبیسن میں ہ ملا کر لمہ تلبیسنہ کر دیا[1]
اس آخری قول کی مؤید ہے۔

(۲)

مقداد بن عمرو[2]

رسالتمآبؐ کے ممتاز صحابی تھے۔ جنگ بدر اور تمام اسلامی غزوات میں رسالتمآبؐ کے ہمراہ رکاب تھے۔ ابن مسعود نے ان کا شمار اُن سات آدمیوں میں کیا ہے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا۔

فریقین کی متفقہ روایت ہے رسالتمآبؐ کی حدیث کہ ان اللہ عز وجل امرنی بحب اربعۃ من اصحابی واخبرنی انہ یحبھم قیل یا رسول اللہؐ من ھم قال علی والمقداد وسلمان وابوذر

رحمان خداوند عالم نے مجھے مامور کیا ہے کہ میں اپنے اصحاب میں سے چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھوں۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ خدا اُن سے

(۱) اصل روایت کے لیے ملاحظہ ہو تحریف قرآن کی حقیقت ص۱۲۴ ۱۲

(۲) عام طور سے مقداد بن اسود کندی مشہور ہیں۔ اسلیے کہ اسود بن عبد یغوث زہری نے آپ کو متبنی بنا لیا تھا لیکن اصل میں آپ مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بہرادی تھے قبیلہ بہراء بن عمرو سے جو قضاعہ کی ایک شاخ ہے ۱۲

محبت رکھتا ہے۔ پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ فرمایا علیؑ اور مقداد اور سلمان اور ابوذر[1]

علامہ شیخ مصطفےٰ صادق رافعی نے اپنی کتاب (اعجاز القرآن)[2] میں تحریر کیا ہے

تفرق المسلمون فی الامصار	مسلمان مختلف اطراف میں متفرق ہو گئے
فاخذ اھل کل مصر عن رجل	اور ہر شہر کے لوگوں نے باقی ماندہ حفاظ
من بقیۃ القراء فاھل دمشق	میں سے کسی ایک سے قرآن کی تعلیم حاصل
وحمص اخذوا عن المقداد	کرنا شروع کر دی چنانچہ اہل دمشق اور حمص
بن الاسود۔	نے مقداد بن اسود سے حاصل کیا۔

اس میں مقداد کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح موجود ہے۔

استیعاب ابن عبد البر[3] میں ہے۔

روی حماد بن سلمۃ عن	جناب رسالتمآبؐ نے ایک شخص کو قرآن
ثابت عن انس ان النبی صلی اللہ	پڑھتے سُنا جو اپنی آواز قرآن کے ساتھ
علیہ وسلم سمع رجلا یقرأ و	بلند کر رہا تھا حضرت نے فرمایا یہ "اواب"
یرفع صوتہ بالقرآن فقال	"عبادت گذار" ہے، دوسرے کو سنا
اواب وسمع اخر یرفع صوتہ فقال مراء	کہ وہ بھی اپنی آواز بلند کر رہا ہے۔
فنظر فاذا الاول المقداد بن عمرو	حضرت نے فرمایا "خود نمائی کرنیوالا ہے"

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۴۷۶ (۲) مطبوعہ مصر صفحہ ۳۔

(۳) حاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۴۷۶

کسی نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ پہلے شخص مقداد بن عمرو تھے۔

قرآن پڑھنے والے لوگ اُس زمانہ میں سوائے حافظ کے کچھ اور نہ ہوتے تھے۔ بے شک اُس وقت قرآن پورا نازل ہی نہ ہوا تھا تا کہ پورے قرآن کے حافظ ہو سکتے۔ لیکن اس کے بعد تکمیل ممکن تھی۔ شیعیت کے لیے ان کی کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے روشن حقائق اگر درجے رکھتے ہیں تو یہ اوّل درجہ میں درج ہونے والی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔

ائمہ معصومینؑ کے تصریحات ان کی جلالت قدر اور ثبات قدم کے اظہار میں متواتر ہیں۔

حق کے جادہ سے انحراف کی آندھی اگر کچھ لوگوں پر بالکل کارگر نہ ہوئی تھی تو وہ چند ہی تھے جن میں اوّل نمبر مقداد کا ہے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

ان اردت الذی لم یشک	اگر ایسا شخص پوچھو کہ جسکو شک نہیں ہوا
ولم یدخلہ شئی فالمقداد	اور کسی قسم کا خیال بھی راہ حق سے ہٹنے

کا نہیں ہوا تو وہ مقداد ہیں۔

دوسری روایت میں ہے

ما بقی احد الا وقد جال جولۃ	کوئی ایسا نہیں رہا جس نے ایک ذرا
الا المقداد بن الاسود	ادھر ادھر جھکنا نہ لگا یا ہو سوائے مقداد
فان قلبہ کان مثل	بن اسود کے کہ ان کا دل لوہے کی طرح

زبر الحدید۔ مضبوط تھا۔

عام اسلامی مورخین کے تصریحات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو ابوالفداء کی فہرست جو ابی بن کعب کے تذکرہ میں نذر ناظرین ہوئی۔ اُن لوگوں میں جو حضرت ابوبکر کی بیعت سے کنارہ کش ہوئے تھے، مقداد کا نام بھی موجود ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے علی بن ابیطالبؑ کا ساتھ دیا تھا۔

ابو حاتم سجستانی کی کتاب الزینۃ میں اُن الفاظ کی تشریح میں جو اہل علم کے درمیان متداول ہیں لکھا ہے(۱)

ان اوّل اسم ظھر فی الاسلام	سب سے پہلا نام جو رسالتمآبؐ کے
علی عھد رسول اللہؐ ھو	زمانہ میں اسلام میں ظاہر ہوا وہ "شیعہ"
الشیعۃ وکان ھذا القب	ہے۔ یہ لقب تھا چار آدمیوں کا صحابہ
اربعۃ من الصحابۃ وھم	میں سے ابوذر اور سلمان اور مقداد
ابوذر وسلمان الفارسی	اور عمار صفین کے زمانہ تک رہ یہ
والمقداد بن الاسود و	ان سے مخصوص رہا اس کے بعد

(۱) روضات الجنات ص۸۸ میں اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

کتاب الزینۃ کے متعلق کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۹ میں ہے۔

کتاب الزینۃ لابی حاتم سھل بن محمد السجستانی المتوفی سنہ ۲۰۵ھ

عمار بن یاسر الیٰ اوان صفین	علی بن ابیطالبؑ کے دوستوں میں
ذا شتہرین موالی علی بن ابیطالبؑ	عام طور سے شائع ہو گیا۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ[۱] میں سقیفہ بنی ساعدہ کے حالات کے ذیل میں براء بن عازب کی روایت نقل کی ہے جو طولانی ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ براء کہتے ہیں۔

فمکثت اکابد ما فی نفسی	میں نے اپنے غم و غصہ کا دن بھر مقابلہ کیا
ورائیت فی اللیل المقداد	اور شب کو مقداد، سلمان، ابوذر، عبادہ
وسلمان واباذر وعبادة	ابن صامت، ابوالہیثم بن تیہان، حذیفہ
بن الصامت واباالهیثم	عمار سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ
بن التیهان وحذیفة وعمارا	لوگ سب موجودہ بیعت سے ناراض ہیں
وهم یریدون ان یعید الامر	چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ مہاجرین کی جماعت
الامر شوریٰ بین المهاجرین	میں پیش ہو اور وہ اُس پر نظر ثانی کریں۔

شیخ ابوالحسن مقدسی نے اپنی تاریخ میں مقداد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے
کان من جملة شیعة علی بن ابیطالب "یہ منجملہ شیعیان علی بن ابیطالبؑ کے تھے"

صحیح مسلم میں ہے۔

عن همام بن الحرث ان رجلا	ایک شخص حضرت عثمان کی تعریف

(۱) مطبوعہ مصر ج ۱ ص [illegible]

فجعل یمدح عثمان فعمد المقداد	کرنے لگا حضرت مقداد سن رہے تھے
وجثا علیٰ رکبتیہ وکان	آپ نے دونوں گھٹنے ٹیک دیے،
رجلا ضخما فجعل یحثو فی	اور سنگریزے اُس کے چہرہ پر پھینکنے
وجہہ الحصیٰ فقال لہ عثمان	لگے حضرت عثمان نے کہا ہائیں! یہ کیا
ما شانک قال ان رسول اللہ ﷺ	کرتے ہو؟ آپ نے کہا کہ رسالتمآب نے فرمایا
قال اذا رأیتم المداحین	ہے جب (بیجا) تعریف کرنیوالوں کو دیکھو
فاحثوا فی وجوھھم التراب	تو اُن کے منھ میں خاک جھونک دو۔

مدینہ سے تین میل پر مقام جرف میں جو آپ کی املاک تھی ۳۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ کی لاش کو مدینہ میں لاکر وہاں دفن کیا گیا۔

(۳)

عبادہ بن صامت انصاری

رسالتمآب کے بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ جنگ بدر اور تمام لڑائیوں میں حضرت رسالتمآب کے ساتھ حاضر تھے۔ ان کا شمار فقہاء صحابہ میں تھا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اُن کے فتاوی سے ایک جزو کا رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔[1]

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ جمع القرآن فی زمن النبی ﷺ خمسۃ

---

(۱) اصابہ۔ ج ۱ ص ۱۲

من الانصار۔

"قرآن مجید کو رسالتمآبؐ کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے انصار میں سے حفظ کیا"

ان میں عبادۃ بن صامت کا بھی نام ہے۔(۱)

دمیری نے حیوۃ الحیوان میں بھی من جمع القرآن حفظاً علی عہد رسول اللہؐ۔

(جن لوگوں نے قرآن کو از بر حفظ کیا تھا رسالتمآبؐ کے سامنے) ان کی فہرست میں عبادۃ بن صامت کا نام لیا ہے(۲)

عبید نے کتاب القرأۃ میں ایک باب قائم کیا ہے القراء من اصحاب النبیؐ "صحابہ میں سے جو لوگ حافظ قرآن تھے"۔ ان میں عبادۃ بن صامت کا ذکر کیا ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ(۴) میں لکھتے ہیں۔

روی ابن سعد فی ترجمتہ من طریق محمدّ بن کعب القرظی انہ ممن جمع القرآن فی عہد النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکذا اورده البخاری فی التاریخ

ابن سعد نے ان کے حالات میں محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا بخاری نے بھی تاریخ میں اس کو ایک دوسری سند سے محمد بن کعب سے نقل

(۱) اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۰۶ و اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۳۳ (۲) حیوۃ الحیوان مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۹
(۳) اتقان ص ۱۳۳ (۴) ج ۲ ص ۲۶۹

ممن وجه اخر عن محمد بن كعب
وزاد فكتب يزيد بن ابي
سفيان الى عمر قد احتاج
اهل الشام الى من يعلمهم
القرآن ويفقههم فارسل
معاذا وعبادة واباالدرداء
فاقام عبادة بفلسطين ولعبادة
قصص متعددة مع معاوية
وانكاره عليه اشياء وفي
بعضها رجوع معاوية له وفي
بعضها شكواه الى عثمان منه
تدل على قوته في دين الله و
قيامه بالمعروف۔

کیا ہے اور اتنا زیادہ لکھا ہے کہ یزید بن
ابی سفیان نے حضرت عمر کو لکھا کہ اہل شام
کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اُن کو
قرآن کی تعلیم دے اور فقہی احکام بتلائے
آپ نے معاذ بن جبل اور عبادہ بن صامت
اور ابوالدرداء کو شام کی طرف روانہ کیا
عبادہ نے فلسطین میں قیام کیا۔ عبادہ
کو معاویہ کے ساتھ بہت واقعات پیش
آئے ہیں جن میں آپ نے معاویہ کی بہت سی
باتوں پر اعتراض کیا اور ان میں سے بعض میں
معاویہ نے آپ کی بات پر عمل کیا ہے اور
بعض میں آپ کی شکایت حضرت عثمان سے
کی ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس درجہ آپ
مذہب کے معاملہ میں مستقل مزاج اور امر بالمعروف کے فرض کو انجام دینے والے تھے۔

ان کے تشیع کے متعلق شیخ طوسیؒ اپنی کتاب رجال میں لکھتے ہیں۔

ممن اقام بالبصرة وكان شيعيا۔ "ان کا قیام بصرہ میں تھا اور
یہ شیعہ تھے"۔

علامہ حلیؒ نے خلاصۃ الرجال میں انہی لفظوں کا اعادہ کیا ہے۔ رجال کشی میں فضل بن شاذان سے نقل کیا ہے کہ انہ من السابقین الذین رجعوا

الی امیر المومنین علیہ السلام۔

"یہ اُن لوگوں میں سے تھے جو شروع ہی میں امیر المومنینؑ سے آکر ملحق ہو گئے تھے"

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ[1] میں براء بن عازب کی روایت میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ خلافت حضرت ابوبکر سے ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ پھر اس مسئلہ کو مہاجرین کی جمعیت میں پیش کریں۔ اُن میں عبادہ بن صامت کا نام بھی ہے۔

ابن عبدربہ نے عقد فرید ج ۲ میں لکھا ہے۔

لمّا قدم عمرو بن العاص علی
معاویۃ وقام معہ فی شان
علی بعد ان جعل لہ مصر
طعمۃ قال لہ انّ بارض ش
رجلا لہ شرف واسم واللّٰہ
ان قام معک استہویت
بہ قلوب النّاس وھو عبادۃ

جب عمرو بن عاص معاویہ کے پاس گئے
اور معاویہ نے اُن کے لیے مصر کا تحفہ
پیش کر دیا اور اس کے بعد وہ دونوں
حضرت علیؑ کی مخالفت میں متحد ہو گئے
تو عمرو عاص نے معاویہ سے کہا کہ آپ کے
ملک میں ایک بڑے درجہ کا شخص ہے
وہ اگر آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو

(۱) مطبوعہ مصر۔ ج ۱ ص ۱۴۲

بن الصامت فارسل اليه
معاوية فلما اتاه وسّع له بينه
وبين عمرو بن العاص فجلس
بينهما فحمد الله معاوية و
اثنى عليه وذكر فضل عبادة
وسابقته وذكر فضل عثمان
وما ناله وحض عبادة على
القيام معه فقال عبادة قد
سمعت ما قلت اتدريان
لما جلست بينكما قالا نعم
لفضلك وسابقتك وشرفك
قال لا والله ما جلست بينكما
لذلك وما كنت لاجلس
بينكما فى مكانكما ولكن بينا
نحن نسير مع رسول الله ﷺ
اذ نظر اليكما تسيران وانتما
تتحدثان فقال لنا اذا رأيتموهما

تو آپ اُس کے ذریعہ سے لوگوں کے
دلوں کو خوب متوجہ کر سکیے گا اور وہ
عبادہ بن صامت ہیں۔ معاویہ نے عبادہ
کو بلوا بھیجا۔ جب وہ آئے تو معاویہ نے
اپنے اور عمرو عاص کے درمیان میں اُنکے
لیے جگہ خالی کی۔ وہ وہاں بیٹھ گئے۔
معاویہ نے حمد وثنائے الٰہی کے بعد عبادہ
کی بڑی تعریفیں کیں اور اُن کے فضل و
شرف کا تذکرہ کیا۔ پھر حضرت عثمان کی
فضیلت اور اُن کے قتل کیے جانے کا
ذکر کیا اور عبادہ کو ترغیب دی کہ وہ
اُن کے ساتھ کھڑے ہوں۔ عبادہ سب
سنتے رہے۔ جب معاویہ نے تقریر ختم کی تو
عبادہ نے کہا تم جانتے ہو میں تم دونوں
کے درمیان میں کیوں بیٹھ گیا۔ معاویہ
نے کہا ہاں اپنے فضل وشرف اور
عظمت کے سبب سے۔ عبادہ نے کہا نہیں

اجتمعا فقرقوا بینهما فانهما	بخدا یہ وجہ نہیں تھی۔ اور میں کبھی ایسا نہ کرتا
لا یجتمعان علی خیر ابدا و	کہ تم دونوں آدمیوں کے درمیان میں بیٹھتا
انا انہاکما عن اجتماعکما۔	لیکن ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم رسالتمآب

کے ساتھ کہیں جا رہے تھے حضرت نے تم دونوں آدمیوں کو دیکھا کہ تم باتیں کرتے ہوئے جا رہے ہو۔ حضرت ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم لوگ ان دونوں کو دیکھو کہ یہ مجتمع ہوئے ہیں تو انھیں متفرق کر دو اس لیے کہ یہ کبھی خیر پر مجتمع نہیں ہوں گے۔ دیکھو میں تم دونوں آدمیوں کو اس اجتماع سے منع کرتا ہوں۔"

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں۔

و سرد ابن عساکر فی ترجمتہ	ابن عساکر نے ان کے حالات میں انکے
اخبارا لہ مع معاویۃ تدل	بعض واقعات معاویہ کے ساتھ ایسے
علی انہ عاش بعد ولایۃ	لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاویہ
معاویۃ الخلافۃ و بذلک	کے خلیفہ ہونے کے زمانہ تک زندہ رہے
جزم الھیثم بن عدی و	اور ہیثم بن عدی نے اسے یقینی طور سے
قیل انہ عاش الی سنۃ	ثابت کیا ہے اور بعض نے تو کہا ہے کہ
خمس واربعین	یہ ۴۵ھ تک زندہ تھے۔

لیکن استیعاب میں یہ ہے کہ عبادہ نے ۳۴ھ میں بمقام رملہ" اور بقول بعض "بیت المقدس" میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر اسوقت ۷۲ سال کی تھی۔

(۳)

حذیفہ بن الیمانؓ

حضرت رسولؐ کے بڑے بلند مرتبہ صحابی ہیں۔ رسالتمآبؐ نے ان کو منافقین کے اسماء بتا دیے تھے جن کو آپ نے ازراہ کرم کیا تھا محفوظ رکھتے تھے، اور اس لیے صاحب سرّ رسول اللہؐ "رسالتمآبؐ کے رازدار" کہے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے معیار مقرر کر لیا تھا کہ جو شخص صحابہ میں سے انتقال کرے اگر حذیفہ اس کی میت میں شریک ہوں تو حضرت عمر بھی جاتے تھے۔ اور اگر حذیفہ نہ شریک ہوں تو حضرت عمر سمجھ لیتے تھے کہ وہ منافقین میں سے ہے[۱]۔

حضرت عمر کو اس کے متعلق بڑی فکر تھی اور اکثر آپ سے اپنے متعلق دریافت کرتے تھے کہ میں تو منافقین میں سے نہیں ہوں۔ نیز دوسرے صحابہ بھی آپ سے دریافت کیا کرتے تھے لیکن آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں بتاتے تھے۔ تعداد کہہ دیتے تھے کہ اب اتنے منافقین زندہ موجود ہیں[۲]۔

عبید نے کتاب القراءۃ میں جو فہرست "حفاظ صحابہ" کی لکھی ہے، اس میں مہاجرین میں سے حذیفہ کا بھی نام درج کیا ہے[۳]

(۱) استیعاب برحاشیۂ اصابہ۔ ج ا ص ۲۷۷ (۲) شرح احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۷۰۔
(۳) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳۔

بحر العلوم سید مہدی طباطبائی طاب ثراہ نے کتاب "فوائد رجالیہ" میں لکھا ہے

یستفاد من بعض الاخبار
بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو

ان لہ درجۃ العلم بالکتاب
علم الکتاب (قرآن کے علم) کا درجہ بھی حاصل

ایضا وقد روی ان حذیفۃ
تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حذیفہ کہا کرتے

کان یقول اتقوا اللہ یا معشر
تھے۔ اے حافظان قرآن خدا کا خوف کرو

القراء وخذوا الطریق من
اور اپنے پیشروؤں کا راستہ اختیار کرو۔

کان قبلکم فواللہ لئن استقمتم
خدا کی قسم اگر تم سیدھے راستہ پر قائم رہے

لقد سبقتم سبقا بعیدا
تو بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر تم ادھر ادھر

ولئن ترکتموہ یمینا وشمالا
مڑ گئے تو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا

لقد ضللتم ضلالا بعیدا۔
ہو گے۔

ان کے تشیع کے متعلق ہمارے علماء کے تصریحات اور ائمہ معصومین کے روایات کثرت سے ہیں۔

براء بن عازب کی روایت میں جو واقعات سقیفہ پر مشتمل ہے اُن لوگوں میں جو بیعت حضرت ابوبکر سے ناراض تھے اور چاہتے تھے کہ پھر از سر نو اس مسئلہ پر غور کیا جائے حذیفہ کا نام بھی موجود ہے[1]۔

استیعاب[2] میں ان کی روایت درج کی ہے کہ قال قال رسول اللہ ﷺ

(۱) ملاحظہ ہو ہماری کتاب "حالات مقداد بن الاسودؓ" (ص) ج ۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن ص ۸۴۔

"ان تولوا علیاً تجدوہ ہادیاً مہدیاً" رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ علی کی حکومت تسلیم کرلیں تو وہ صحیح رہنمائی کرنے والے ثابت ہوں۔"

ان کی وفات ۳۶ھ میں امیر المومنینؑ کے ظاہری طور سے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے ۴۰ روز بعد واقع ہوئی ہے۔

(۵)

محمد بن ابی حذیفہ

صحابی اور صحابی زادہ تھے۔ ان کے والد ابو حذیفہ بن عتبہ قرشی بڑے پرانے صحابیوں میں سے تھے اور یہ خود جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حبشہ میں متولد ہوئے تھے۔ واقدی نے ان کا تذکرہ کیا ہے ایسے صحابہ کی فہرست میں جن کی کنیت ابوالقاسم اور نام محمد تھا۔

ابو حذیفہ جنگ یمامہ میں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان نے اُن کے بیٹے محمد کو اپنی تربیت میں لے لیا اور اولاد کی طرح پرورش کی۔ مگر محمد بن ابی حذیفہ نے بڑے ہو کر حضرت عثمان سے جدائی اختیار کی، اور آپ کے خلیفہ ہونے کے بعد آپ کی اجازت سے مصر چلے گئے اور وہاں آپ کے مقابلہ میں علم مخالفت بلند کیا۔

استیعاب[1] میں ہے۔ کان محمد بن ابی حذیفۃ اشد الناس تألیبا علی عثمان۔

"محمد بن ابی حذیفہ سب سے زیادہ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کرتے تھے"۔

پھر لکھتے ہیں۔ لما قاموا علی عثمان کان محمد بن ابی حذیفۃ احد من اعان علیہ وا الب وحرض اھل مصر۔

"جب حضرت عثمان کے خلاف لوگ کھڑے ہوئے ہیں تو محمد بن ابی حذیفہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ کے خلاف لشکر جمع کرتے اور اہل مصر کو آمادہ کرتے تھے"۔

اصابہ[2] میں ہے۔

ذکر ابو عمر الکندی فی امراء مصر ان عبد اللہ بن سعد امیر مصر لعثمان کان توجہ الی عثمان لما قام الناس علیہ فطلب امراء الامصار فتوجہ الیہ وذلک سنۃ

ابو عمر کندی نے امراء مصر کے حالات میں لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت عثمان کی مخالفت میں کھڑے ہوئے اور شورش برپا کی تو انھوں نے تمام حکام کو جو مختلف اطراف میں تھے بلا بھیجا مصر کا حاکم عبد اللہ بن سعد بھی ان کے پاس گیا۔

(۱) برحاشیہ اصابہ ج ۳ ص ۳۴۱-۳۴۲ (۲) ج ۳ ص ۳۷۳

رجب سنة خمس وثلاثين و استناب عقبة بن عامر وفی نسخة ابن مالك فوثب محمد بن ابی حذیفة علی عقبة فاخرجه من مصر وذلك فی شوال منها ودعا الی خلع عثمان واسعر البلاد وحرض الناس علی عثمان ۔۔۔۔ ثم جهز ابن ابی حذیفة القوم الذین ثاروا علی عثمان و حاصروه الی ان كان من قتله ما كان۔

اور عقبہ ابن عامر یا ابن مالک کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ محمد بن ابی حذیفہ نے عقبہ پر یورش کردی اور اُسے مصر سے نکالدیا۔ یہ شوال ۳۵ھ کا واقعہ ہے اور لوگوں کو حضرت عثمان کے تخت سے اُتار دینے کی دعوت دی اور تمام ملک میں آگ لگادی اور لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف آمادہ کردیا۔۔۔ پھر محمد ابن ابی حذیفہ نے وہ فوج جمع کی جس نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا۔ اور آخر میں آپ کو قتل کر ڈالا۔"

وہ لوگ جو حضرت عثمان (جامع قرآن) سے اختلاف کو حافظ قرآن نہ ہوسکنے کا سبب قرار دیتے ہیں انھیں یہ واقعات غور سے دیکھنا چاہئیں۔

کیا اس امر میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ جامع قرآن حضرت عثمان کے سخت دشمن تھے اور اُن کے قتل کے ذمہ دار۔ لیکن اُسکے ساتھ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

اخرج یعقوب بن سفیان فی تاریخہ من طریق ابن المبارک عن حرملۃ بن عمران عن عبد العزیز بن عبد اللہ السلیمی حدثنی ابی قال کنت مع عقبۃ بن عامر قریبا من المنبر فخرج ابن ابی حذیفۃ فخطب الناس ثم قرأ علیھم سورۃ وکان قارئا فقال عقبۃ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیقرأن القرآن اناس لایجاوز تراقیھم فسمعہ ابن ابی حذیفۃ فقال ان کنت صادقا انک لمنھم۔

(اصابہ ج ۳ ص ۳۷۳)

یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے عبد اللہ بن سلیمی کا بیان کہ میں عقبہ بن عامر کے ساتھ منبر کے قریب تھا کہ ایک مرتبہ ابن ابی حذیفہ آئے اور انھوں نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور آخر میں ایک سورہ کی تلاوت کی اور وہ حافظ قرآن تھے۔ عقبہ نے (زیر منبر) کہا سچ فرمایا ہے رسالتمآب نے کہ قرآن کو حفظ کریں گے ایسے لوگ جن کے گلوں کے آگے وہ قرآن نہ بڑھتا ہوگا۔ ابن ابی حذیفہ نے سُن لیا۔ کہا اگر تو سچ کہتا ہے تو تو بھی اُن لوگوں میں سے ہے (جنکا رسالتمآب نے ذکر کیا ہے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ حفظ قرآن کے شرف

سے مفتخر تھے۔

اصابہ میں ہے۔

ذکر خلیفۃ بن خیاط فی تاریخہ	خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ
ان علیا لما ولی الخلافۃ اقر	خلیفہ ہوئے تو آپ نے محمد بن ابی حذیفہ کو
محمد بن ابی حذیفۃ علی امرۃ مصر	مصر کی حکومت پر باقی رکھا۔

سنہ ۳۶ھ میں معاویہ کے کسی ہوا خواہ نے ان کو قتل کر ڈالا۔

(۶)

علقمہ بن قیس

امیر المومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں سے تھے۔ ذہبی نے طبقات القراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے لکھا ہے۔ قد قرأ علی ابیؓ جماعۃ من الصحابۃ۔ "ابی بن کعب سے بہت سے صحابہ نے قرآن حفظ کیا" (ان صحابہ کے نام لکھنے کے بعد) واخذ عنہم خلق من التابعین "ان صحابیوں سے پھر بہت سے تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کی" ۔۔۔ فممن کان بالکوفۃ علقمۃ۔ "ان لوگوں میں سے جو کوفہ میں رہتے تھے علقمہ ہیں" (۱)

رجال کشی (۲) میں ہے۔

(۱) اتقان مطبوعہ دہلی صہ ۱۰۲ (۲) مطبوعہ بمبئی صہ ۶۶

روى يحيى الحمانى قال حدثنا
شريك عن منصور قال
قلت لابراهيم اشهد علقمة
صفين قال نعم وخضب سيفه دماً

ابراہیم سے دریافت کیا گیا کہ کیا علقمہ
صفین میں شریک ہوئے تھے۔
انھوں نے کہا ہاں اور اُن کی تلوار
خون سے رنگین ہو گئی تھی۔

اس کے بعد لکھا ہے۔

وكان علقمة فقيها فى دينه
قاريا لكتاب الله عالما
بالفرائض شهد صفين
واصيبت احدى رجليه
فعرج منها۔

علقمہ مسائل مذہبی میں فقیہ کا درجہ رکھتے
تھے اور قرآن مجید کے حافظ تھے اور علم
میراث کے عالم تھے۔ جنگ صفین میں
شریک ہوئے تھے اور ان کا ایک پاؤں
بھی اُس دن کٹ گیا تھا جسکی وجہ سے
بہت خوش ہوئے تھے۔

رجال شیخ طوسی اور خلاصۃ الرجال علامہ حلیؒ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابھی
جنگ صفین میں شہید بھی ہوئے ہیں۔

(۷)

ابو ایوب انصاری

اصلی نام خالد بن زید ہے۔ بدر واحد اور خندق نیز دیگر لڑائیوں میں جناب

رسالتمآبؐ کے ہمراہ رکاب تھے جب جناب رسالتمآبؐ مدینہ میں تشریف لائے ہیں تو حضرت کا ناقہ جس گھر کے سامنے خود سے بیٹھ گیا تھا، اور حضرت نے وہیں نزول اجلال فرمایا تھا، وہ ابوایوب ہی کا گھر تھا۔ اس پر ابوایوب جتنا بھی ناز کرتے بجا تھا۔

دمیری نے حیوۃ الحیوان میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ رسالتمآبؐ کے سامنے حفظ قرآن کر چکے تھے اُن میں ابوایوب انصاری کا بھی نام ہے :

محمد بن کعب قرظی کی روایت میں بھی جو بتاتی ہے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں پانچ آدمیوں نے حفظ قرآن کیا تھا، ابوایوب کا نام موجود ہے۔[1]

مولوی عبدالسلام ندوی اسوۂ صحابہ کے حصۂ اول ص۱۲۶ میں تحریر کرتے ہیں۔

"قرآن مجید کی متفرق سورتیں اگرچہ تقریباً تمام صحابہ کو یاد تھیں لیکن ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت ابوایوبؓ۔ حضرت عبادۃ بن الصامتؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابوزیدؓ۔ حضرت سالمؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے خود رسول اللہ صلعم کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا"

ان کے تشیع کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے۔

وہ بارہ آدمی جنھوں نے اعلان حق کی آواز بلند کی تھی اور پہلی خلافت پر اعتراض کیا تھا اُن میں ابوایوب انصاری بھی ایک نمایاں حصہ رکھتے تھے۔

(۱) اسدالغابہ۔ ج ۳ ص۱۰۶۔ اتقان مطبوعہ دہلی ص۱۰۳

اُن کی تقریر اِس دن کی یادگار اور پُرجوش حسب ذیل تھی۔

اتّقوا الله عباد الله	خدا سے ڈرو اے خدا کے بندو اپنے نبی
اهل بیت نبیّکم وردّوا الیهم	کے اہلبیت کے بارے میں اور واپس کر دو
حقهم الذی جعله الله	اُن کی طرف اُن کے حق کو جو خدا نے ان کے
لهم فقد سمعتم مثل ما	لیے قرار دیا ہے کیونکہ یقیناً تم نے بھی سُنا
سمع اخواننا فی مقام بعد	ہے وہ سب کچھ جو ہم لوگوں نے سُنا ہے
مقام لنبیّنا و مجلس بعد	مختلف مقامات پر اور بار بار رسالتمآب
مجلس یقول اهل بیتی	سے کہ حضرت فرماتے تھے میرے
ائمتکم بعدی ویومی الی علیّ	اہلبیت میرے بعد تمہارے امام ہیں اور
ویقول هذا امیر المؤمنین	اکثر آپ علی ابن ابیطالبؑ کی طرف اشارہ
وقاتل الکفرة مخذول من	فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ امیرمومنین
خذله منصور من نصره	اور قاتل کافرین ہیں خدا کی نصرت
فتوبوا الی الله من ظلمکم	سے محروم ہے وہ جو انھیں چھوڑ دے
ان الله توّاب رحیم ولا تتولوا	اور خدا کی نصرت سے مخصوص ہے وہ
عنه مدبرین ولا تتولّوا	جو انکی نصرت کرے لہذا تم سب لوگ
عنه معرضین۔	توبہ کرو اپنے ظلم سے۔ خدا توبہ قبول

کرنیوالا ہے اور تم اعراض اور روگردانی کرتے ہوئے حق کے راستہ سے منحرف نہ ہو۔

استیعاب(۱) میں ہے۔

قال ابن الکلبی وابن اسحٰق شہد ابو ایوب مع علی رضی اللہ عنہ الجمل وصفین وکان علی مقدمتہ یوم النھروان۔	ابن ہشام اور ابن اسحٰق دونوں مورخوں کا بیان ہے کہ ابو ایوب حضرت علیؓ کیساتھ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے اور نہروان کے دن تو آپ مقدمۃ الجیش (ہراول لشکر) بنائے گئے تھے۔

دوسرے مقام پر لکھا ہے

کان ابو ایوب الانصاری مع علی رضی اللہ عنہ فی حروبہ کلھا۔	ابو ایوب انصاری حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ آپ کی تمام لڑائیوں میں۔

جن روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جمل وصفین میں شریک نہ ہوئے تھے اُن میں بھی یہ وجہ لکھی ہے کہ حضرت علیؓ جب کوفہ جانے لگے ہیں تو آپ نے خود ابو ایوب کو بطور اپنے قائم مقام کے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے یہ مدینہ میں رہ گئے اور جمل وصفین میں شریک نہ ہو سکے لیکن اس کے بعد آپ جنگ نہروان کے پہلے ہی امیر المومنین کی خدمت میں شرفیاب ہو گئے اور جنگ نہروان میں پرجوش طریقہ پر شریک ہوئے۔(۲)

(۱) مطبوعہ مصر برحاشیہ اصابہ ج ۴ ص ۔ (۲) اصابہ ج ۱ ص ۔

کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو خاص شوق تھا۔ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری میں جنگ کرنے تک سے آپ نے گریز نہیں کیا۔ آپ کا اجتہادی خیال یہ تھا کہ کفار سے جہاد میں اگرچہ فاسق و فاجر اشخاص کی ماتحتی میں ہو سچی نیت سے شریک ہونا مذہب کی نصرت ہے اسلیے روم کی جنگ میں جو معاویہ کے حکم سے یزید کی ماتحتی میں افواج روانہ کی گئی تھیں اُن میں ابوایوب انصاری بھی موجود تھے اور وہیں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ میں انتقال کیا۔

(۸)

میثم تمّار

حافظ ابن حجر نے ان کا پورا نام میثم بن یحییٰ تمّار اسدی لکھا ہے اور شیخ مفید طاب ثراہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ میثم تمار قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ حضرت امیرؑ نے اُن کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ حضرت نے اُن سے دریافت کیا، تمھارا نام کیا ہے، انھوں نے کہا سالم۔ حضرت نے فرمایا مجھے رسالتمآبؐ نے بتلایا ہے کہ تمھارا اصلی نام "میثم" ہے۔ میثم نے عرض کی "بے شک میرا اصلی نام میثم ہی تھا"۔ حضرت نے فرمایا تو پھر تم وہی نام رکھو جو تمھارا نام رسالتمآبؐ نے رکھا ہے۔[۱]

(۱) اصابہ۔ ج ۳ صفحہ ۵۰۴۔

کشی[۲] کی روایت سے جو حسب ذیل ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حافظ قرآن تھے[۱]

عن حمزة بن میثم قال خرج
ابی الی العمرة فحدثنی قال
استأذنت علی ام سلمة فضربت
بینی وبینها خدرا فقالت
لی انت میثم فقلت انا میثم
فقالت کثیرا ما رأیت الحسین
بن علی یذکرک قلت فاین
هو قالت خرج فی غنم له آنفا
قلت انا والله اکثر ذکره فاقرأیه
السلام فانی مبادر فقلت
یا جاریة اخرجی فادهنیه
فخرجت فدهنت لحیتی ببان
فقلت انا والله لئن دهنتها
لتخضبن فیکم بالدماء فخرجنا
فاذا ابن عباس جالس

حمزہ بن میثم کی روایت ہے کہ میرے
والد عمرہ کی غرض سے مکہ معظمہ گئے تھے۔
انھوں نے (واپس آکر) مجھ سے (واقعات
سفر ذیل میں) بیان کیا کہ میں حضرت
ام سلمہؓ کے یہاں گیا۔ انھوں نے پردہ
ڈال کر مجھے بلا لیا اور کہا تم میثم ہو؟ میں نے
کہا جی ہاں میں میثم ہوں۔ انھوں نے
فرمایا کہ حسین بن علیؑ اکثر تمھارا ذکر کیا
کرتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا تو اس وقت
وہ کہاں ہیں۔ فرمایا اپنے کچھ گوسفندوں
کی فکر میں ابھی گئے ہیں۔ میں نے کہا میں بھی
حضرت کو بہت یاد کرتا رہتا تھا۔ اچھا!
آپ میرا سلام عرض کر دیجئے گا مجھے جلدی
ہے اسلیے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت ام سلمہؓ
نے اپنی ایک کنیز سے فرمایا کہ جا میثم کے

(۱) رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۵۳ – ۵۴۔

فقلت یا ابن عباس سلنی ما شئت من تفسیر القرآن فانی قرأت تنزیلہ علی امیر المومنینؑ وعلمنی تأویلہ

خوشبو لگا دے۔ وہ باہر آئی اور مجھے خوشبودار تیل دیا جسکو میں نے اپنی ڈاڑھی میں لگا لیا اور کہا کہ اس وقت اس ڈاڑھی کو میں تیل سے خوشبودار کر رہا ہوں اور عنقریب یہ آپ (اہلبیت رسولؐ) کی محبت میں خون سے رنگین ہو گی پھر میں وہاں سے باہر نکلا تو ابن عباس بیٹھے ہوئے مل گئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس مجھ سے جو کچھ چاہو تفسیر قرآن کے متعلق دریافت کرلو۔ اس لیے کہ میں نے اس کی تنزیل کو امیر المومنینؑ سے حفظ کیا ہے اور تاویل بھی حضرت نے خود مجھے تعلیم فرمائی ہے۔"

میثم کو عبداللہ بن زیاد نے اس زمانہ میں قتل کیا ہے۔ جب وہ حضرت مسلم بن عقیل کے ورود کوفہ کے بعد بصرہ سے کوفہ کا حاکم مقرر ہو کر آیا ہے۔

اصابہ میں[1] ہے کان ذلک قبل مقدم الحسینؑ العراق بعشرۃ ایام

"یہ امام حسینؑ کے عراق پہونچنے سے دس دن قبل کا ذکر ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ میثم ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حافظ ابن مندہ کی روایت ہے۔

من طریق الحرث بن حصیرۃ حدثنی محمد بن حمید الازدی

محمد بن حمید ازدی کا بیان ہے کہ میں اس موقع پر موجود تھا جب میثم کو ابن زیاد

(۱) ج ۳ ص ۵۰۵

قال انی لشاھد منیتا حین
اخرجہ ابن زیاد نقطع یدیہ
ورجلیہ نقال سلونی
احد نکم فان خلیلی اخبرنی
انہ سیقطع لسانی فما کان
الا وشیکا حتی خرج بشرطی
فقطع لسانہ۔

کے حکم سے باہر لایا گیا اور اُن کے دونوں
ہاتھ دونوں پاؤں قطع کرڈالے گئے۔ میثم نے
لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ مجھ سے جو کچھ
پوچھنا ہو ابھی پوچھ لو اس لیے کہ مجھ کو
میرے دوست نے خبر دی ہے کہ ابن زیاد
میری زبان بھی قطع کر ڈالے گا۔ ابھی تھوڑی دیر
نہ گذری تھی کہ ایک سپاہی آیا اور اُس نے
زبان بھی میثم کی قطع کر دی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ان قولہ فی ھٰذہ الروایۃ خلیلی یرید علی بن ابیطالبؑ۔

"اس روایت میں جو "میرے دوست" کی لفظ ہے اس سے مراد علی بن ابیطالب ہیں"[1]

(۹)

بُریر بن خضیر ہمدانی

تعارف سے مستغنی اور تعریف سے بے نیاز، شہدائے کربلا کی ایک

(۱) اصابہ۔ ج ۳ ص ۴۶۹۔

ممتاز فرد اور سید الشہداء حسین بن علیؑ کے جانباز ساتھی تھے۔

"ابصار العین فی انصار الحسین"[۱] میں ہے۔

کان بریر شیخا تابعیا ناسکا	بریر سن رسیدہ تابعی عبادت گذار
قارئا للقرآن من شیوخ القراء	حافظ قرآن۔ بڑے حفاظ اور اساتذہ
ومن اصحاب امیر المؤمنین	میں داخل، اور امیر المومنینؑ کے
علیہ السلام وکان من	اصحاب میں محسوب تھے۔ کوفہ کے
اشراف اھل الکوفۃ من	رہنے والے ہمدانی قبیلہ کے اشراف
الھمدانیین وھو خال	میں سے تھے، اور ابو اسحٰق ہمدانی
ابی اسحق الھمدانی السبیعی۔	سبیعی[۲] کے ماموں تھے۔

رجال کشی[۳] میں ہے۔ بریر بن خضیر الھمدانی وکان یقال لہ سید القراء۔

"ان کا خطاب سید القرآء (حفاظ کے سردار) تھا۔"

حافظ محمد بن جریر طبری کربلا کے واقعہ اور روز عاشور کے حالات میں لکھتے ہیں۔

خرج یزید بن معقل من ۔ یزید بن معقل نے فوج عمر سعد سے

(۱) مطبوعہ نجف اشرف (عراق) ص۷۰ (۲) ان کا تذکرہ اسی کتاب میں بسلسلۂ حفاظ آئے گا۔ (۳) مطبوعہ بمبئی ص۸۳

بنی عمیرة بن ربیعة وھو
حلیف لبنی سلیمة من
عبد القیس فقال یا برید
بن خضیر کیف یری اللہ
صنع بك قال صنع اللہ
واللہ بی خیرا وصنع اللہ
بك شرا قال کذبت وقبل
الیوم ما کنت کذابا ھل
تذکروا انا ماشیك فی
بنی لوذان وانت تقول
انّ عثمان بن عفان کان
علی نفسہ مسرفا وانّ
معاویة بن ابی سفیان
ضالّ مضلّ وان امام الھدے
والحقّ علیّ بن ابیطالب
فقال لہ بریدا اشھد انّ ھذا
رایی وقولی فقال لہ یزید

باہر نکلا - اور بریدہ کو پکار کر کہا کہ
دیکھتے ہو خدا نے تم سے کیا سلوک کیا؟
بریدہ نے کہا خدا نے میرے ساتھ تو اچھا
ہی سلوک کیا۔ ہاں بے شک تیرے
ساتھ بُرا سلوک کیا۔ اُس نے کہا تم
جھوٹ کہتے ہو حالانکہ آج کے قبل ہمیشہ
تم سچ ہی بولا کیے۔ اچھا تمھیں یاد ہے
کہ ایک دفعہ ہم اور تم بنی لوذان کے
قبیلہ میں ایک ساتھ جا رہے تھے۔
اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان بن
عفان اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے
تھے اور معاویہ گمراہ اور گمراہ کنندہ
ہے اور سچے امام و رہنما علی بن
ابیطالب ہیں۔ بریدہ نے کہا بیشک
میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی میری
رائے اور میرا قول ہے۔ یزید
بن معقل نے کہا اچھا تو میں گواہی

بن معقل فانی اشهد انك
من الضالین فقال له بریر
بن خضیر هل لك ان
اباهلك ولندع الله ان
یلعن الكاذب وان یقتل
المبطل ثم اخرج فلابارزك
قال فخرجا فرفعا ایدیهما
الی الله یدعوانه ان یلعن
الكاذب وان یقتل المحقّ
المبطل ثم برز كل واحد منهما
لصاحبه فاختلفا ضربتین
فضرب یزید بن معقل بریر
بن خضیر ضربة خفیفة
لم تضرّه شیئا وضربه بریر
بن خضیر ضربة قدّت المغفر
وبلغت الدماغ فخرّ كانما
هوی من حالق۔

دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو۔ بریر نے کہا، کیا
تم اس پر تیار ہو کہ میں تمہارے ساتھ
مباہلہ کروں اور ہم دونوں آدمی خدا
سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر وہ
لعنت کرے اور باطل پر ہونے والے
کو قتل کرائے اسکے بعد میں تم سے
جنگ کروں (یزید اس پر تیار ہو گیا)
دونوں آدمی میدان میں آگئے۔ پہلے
ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا کی کہ وہ جھوٹے
پر لعنت کرے اور جو حق پر ہو اسکے
ہاتھ سے باطل پرست کو قتل کرائے
اسکے بعد جنگ شروع کی۔ دو ضربوں
کی آمد و رفت ہوئی۔ یزید نے تلوار لگائی
جو بریر پر اوچھی پڑی اور کوئی نقصان
نہ پہونچا سکی اسکے بعد بریر نے ضرب
لگائی جو مغفر کو کاٹتی ہوئی دماغ
میں اتر گئی اور وہ اس طرح گرا کہ

معلوم ہوتا تھا پہاڑ سے نیچے آگیا ہو

مباہلہ ختم ہو گیا اور حق و باطل کا فیصلہ ہو چکا۔ اس کے بعد رضی بن منقذ عبدی نے حملہ کیا، اور بریر سے ہاتھا پائی میں مصروف ہو گیا جس کے نتیجہ میں بریر اُس کے سینہ پر سوار نظر آئے۔ اُس نے پکار کر کہا "کہاں ہیں بہادران جنگ، کہاں ہیں میرے مددگار؟" جس کو سنکر کعب بن جابر بن عمرو ازدی نے بریر پر حملہ کیا۔ راوی خبر عفیف بن زہیر بن ابی الاخنس کا بیان ہے کہ میں نے کہا ان ھذا بریر بن خضیر القاری الذی کان یقرئنا القرآن فی المسجد۔

"یہ تو بریر بن خضیر حافظ قرآن ہیں جو ہم کو قرآن مسجد میں حفظ کرایا کرتے تھے" کعب نے بریر پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا۔ جب وہ واقعہ کربلا کے بعد کوفہ واپس ہوا اور اپنے گھر گیا تو اُس کی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا۔

اعنت علی ابن فاطمۃ وقتلت سید القرآء لقد اتیت عظیما من الامر واللہ لا اکلمک من راسی کلمۃ ابدا۔

"تو نے فاطمہ زہرا کے فرزند کے خلاف جنگ کی اور "سید الحفاظ" کو قتل کیا۔ تو نے بڑا غضب ڈھایا۔ میں خدا کی قسم تجھ سے عمر بھر بات نہیں کروں گی"[۱]

یہ واقعہ ۱۰ محرم سلانہ کا ہے جس دن حسین بن علی اپنے بہتر اصحاب

(۱) تاریخ طبری مطبوعہ مصر ج ۶ ص ۲۴۷

اقربار کے ساتھ کربلا کی زمین پر شہید ہوئے تھے۔

(۱۰)

حنظلہ بن اسعد شبامی

شبام قبیلۂ ہمدان کی ایک شاخ تھی جس کی طرف ان کی نسبت ہے۔ یہ بھی شہدائے کربلا اور انصار حضرت سیدالشہداء کے ایک فرد تھے۔ ابصار العین فی انصار الحسین (۱) میں ہے۔

کان حنظلۃ بن اسعد الشبامی	حنظلہ بن اسعد شبامی شیعوں کی ایک
وجھا من وجوہ الشیعۃ۔	نمایاں فرد، خوش تقریر اور فصیح البیان،
ذالسن وفصاحۃ شجاعا قارئا	بہادر اور حافظ قرآن تھے۔

ان کا قیام کوفہ میں تھا۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ آکر شریک ہوئے۔ گفتگوئے صلح کے دوران میں اکثر انہی کو عمر بن سعد کے پاس نامہ و پیام کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ روز عاشورا امام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اذن طلب کیا۔ پھر آگے بڑھے اور پکار پکار کر کہنے لگے۔

یا قوم انی اخاف علیکم مثل	اے میری قوم کے لوگو مجھے تمہارے
یوم الاحزاب مثل داب	متعلق خوف ہے اُس دن کا جو بہت سی
قوم نوح وعاد وثمود والذین	قوموں کو نصیب ہوا جو قوم نوحؑ اور عاد

(۱) ص [illegible] مطبوعہ نجف

من بعدھم وما اللہ یرید ظلما للعباد ویا قوم انی اخاف علیکم یوم التناد یوم تولون مدبرین ما لکم من اللہ من عاصم ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد یا قوم لا تقتلوا حسینا فیسحتکم اللہ بعذاب وقد خاب من افتری۔

اور ثمود اور اُن کے بعد والوں کا انجام ہوا اور خدا بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا (بلکہ جو کچھ ہوتا ہے اُن کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے) اے میری قوم مجھے تمھارے متعلق اندیشہ ہے قیامت کے دن کا جس دن تم پشت پھرائے ہوئے ہو گے۔ (اس دنیا سے) اور تمھارا کوئی بچانے والا خدا کے عذاب سے نہ ہوگا۔ اور جسکی ہدایت سے خدا ہاتھ اٹھالے اُس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ اے قوم حسینؑ کو قتل نہ کرو نہیں تو خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ گھڑنے والے کا انجام ناکامی ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا "اے ابن سعد یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اُسی وقت ہو گئے جب اُنھوں نے شروع میں حق کو قبول نہ کیا اور تم لوگوں پر فوج کشی کی، اور اب کیا ہے جو اب تو یہ تمھارے بہت سے نیک ساتھیوں کو قتل بھی کر چکے ہیں"۔

حنظلہ نے عرض کیا۔ صدقت جعلت فداک افلا نروح الی ربنا ونلحق باخواننا۔

(۱) ۲۷ مطبوعہ نجف۔

"سچ فرمایا حضور نے۔ میں آپ پر نثار۔ اچھا تو پھر ہم کبھی نہ جائیں اپنے خدا کی طرف، اور اپنے بھائیوں سے ملحق ہوں؟

حضرتؑ نے فرمایا جاؤ دنیا و آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جس کو زوال نہیں ہے۔"

حنظلہ نے سلام رخصت کیا اور آگے بڑھے، لڑے اور شہید ہو گئے۔(۱)

یہ بھی ۱۰ محرم ۶۱ھ کا تذکرہ ہے۔

(۱۱)

عبدالرحمٰن بن عبدرب الانصاری

امیرالمومنینؑ کے مخلص شیعہ اور رسالتمآبؐ کی صحبت کے شرف کو حاصل کیے ہوئے تھے۔ حافظ ابن عقدہ کی روایت میں اس موقع پر جب امیرالمومنینؑ نے رحبہ میں حدیث غدیر خم کے اوپر گواہی چاہی تھی تو جو دس بارہ آدمی کھڑے ہوئے تھے اُن میں عبدالرحمٰن بن عبدرب کا بھی نام ہے۔

ابن اثیر جزری کی کتاب اسد الغابہ میں متعدد مقامات پر یہ روایت درج کی ہے اُن تمام اشخاص کے اسماء جو روایت میں مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

ابوایوب انصاری، ابوعمرۃ بن عمرو بن محصن، ابوزینب، سہل بن حنیف

(۱) تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۵۴

خزیمہ بن ثابت۔ عبداللہ بن ثابت انصاری۔ حبشی بن قتادہ سلولی۔ عبید بن عازب انصاری۔ نعمان بن عجلان انصاری۔ ثابت بن ودیعہ انصاری۔ ابو فضالہ انصاری۔ عبدالرحمن بن عبدرب انصاری۔

ان سب نے متفقہ الفاظ میں کہا تھا۔

نشھد انّا سمعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یقول الا انّ اللّٰہ عزّوجلّ ولیّی وانا ولیّ المومنین الا فمن کنت مولاہ فعلیّ مولاہ اللّھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واحبّ من احبّہ وابغض من ابغضہ واعن من اعانہ۔

"ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خدا میرا حاکم ہے اور میں مومنین کا حاکم تو جس شخص کا مولیٰ میں ہوں اُسکے مولا علیؑ بھی ہیں۔ خداوندا تو دوست رکھ اُس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ مدد کر اُسکی جو علیؑ کی مدد کرے"۔[1]

"ابصار العین فی انصار الحسین"[2] میں ہے۔

کان علیّ بن ابیطالب علیہ السّلام ھو الّذی علّم عبدالرحمٰن ھذا القراٰن ورباہ۔

"علی بن ابیطالبؑ نے خود عبدالرحمن کی تربیت کی تھی اور اُن کو

(۱) اسد الغابہ۔ ج ۳ صفحہ ۳۰۷ (۲) صفحہ ۹۳ مطبوعہ نجف۔

قرآن مجید کی تعلیم دی تھی"۔

عبدالرحمٰن بن عبد رب بھی شہدائے کربلا میں سے ہیں۔ امام کیساتھ مکہ معظمہ سے آئے تھے اور پہلے حملہ میں جو جنگ مغلوبہ کی صورت سے تھا شہید ہوئے۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تنہا جنگ کر کے شہید ہوئے ہیں۔

طبری نے بھی واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

(۱۲)

کنانہ بن عتیق تغلبی

ابصار العین[2] میں ہے۔

کان کنانۃ بطلاً من ابطال الکوفۃ وعابداً من عبّادھا وقاریاً من قرّائھا جاء الی الحسینؑ فی الطف وقتل بین یدیہ	کنانہ کوفہ کے بہادروں میں سے ایک بہادر اور عبّاد اور حفاظ قرآن میں سے تھے، امام حسینؑ کی خدمت میں کربلا میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے شہید ہوئے۔

(۱) تاریخ طبری۔ ج ۶ صـ ۲۴۱ (۲) صـ ۱۱۴

(۱۳)

نافع بن ہلال جملی (۱)

یہ بھی شہدائے کربلا میں سے تھے۔ ابصار العین (۲) میں ہے۔

کان نافع سیدا شریفا	نافع اپنے قبیلہ کے سردار بزرگ تھے
سریا شجاعا وکان قارئا	بہادر اور حافظ قرآن انشا پرداز
کاتبا من حملة الحدیث	حامل حدیث اصحاب امیر المومنینؑ میں
من اصحاب امیر المومنین	سے محسوب تھے۔ جمل۔ صفین۔ نہروان
وحضر معہ حروبہ الثلث فی	تینوں لڑائیوں میں امیر المومنینؑ
العراق۔	کے ہمراہ رکاب تھے۔

روز عاشور نافع بن ہلال نے اپنے تیروں کے سوفار پر اپنا نام لکھدیا تھا۔ تیر زہر میں بجھائے ہوئے تھے۔ اور وہ اُن تیروں کو مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

انا الجملی انا علی دین علی

"میں جملی (قبیلۂ جمل کا آدمی) ہوں۔ میں علی بن ابیطالبؑ کے دین پر ہوں"

(۱) نسبت ہے جمل بن سعد العشیرۃ ابن مذحج کی طرف اور اسی پہ بنی جمل ایک شاخ کی حیثیت رکھتے تھے قبیلۂ مذحج میں سے (۲) صفحہ ۸۶

بارہ آدمی فوج عمر بن سعد میں سے قتل کیے، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد ان پر حملہ ہوا، اور اتنی جنگ ہوئی کہ ان کے بازو ٹوٹ گئے اور انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

شمر انھیں کشاں کشاں عمر بن سعد کے پاس لے گیا۔ عمر بن سعد نے کہا، "نافع یہ تم نے کیا کیا اور اپنے تئیں کس مصیبت میں مبتلا کیا۔"

نافع نے کہا یہ تو خدا جانتا ہے کہ میری نیت کیا تھی؟ بہر حال شکر ہے کہ میں نے بارہ آدمی تم میں کے قتل کیے اور جو زخمی ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور اگر میرے بازوؤں میں دم اور کلائیوں میں سکت رہتی تو تم مجھے اس طرح گرفتار نہ کر سکتے۔

نافع یہ کہہ رہے تھے اور خون بہ کے اُن کی ڈاڑھی کو تر کر رہا تھا۔ عمر سعد نے شمر کو حکم دیا کہ انھیں قتل کرے۔ شمر نے تلوار کھینچی۔ نافع نے شکر خدا ادا کیا۔ کہا "اگر تو مسلمان ہوتا تو کبھی یہ گوارا نہ کرتا کہ ہمارا خون اپنے سر پر لے۔ شکر ہے خدا کا کہ ہماری موت بدترین خلق لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی۔" شمر نے تلوار ماردی اور نافع شہید ہو گئے۔ (۱)

(۱) طبری۔ ج ۶ صفحہ ۲۵۳

(۱۴)

واضح ترکی

حارث مذحجی سلمانی کے غلام تھے، جنادہ بن حارث کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عاشور محرم کو کربلا کی زمین پر شہید ہوتے۔

ابصار العین صفحہ ۱۴۵ میں ہے۔

کان واضح غلاما ترکیا شجاعا قاریا۔ — واضح غلام ترکی تھے بہادر، اور حافظ قرآن۔

علامہ مجلسیؒ نے عبداللہ و عبدالرحمٰن غفاریین کی شہادت کے بعد لکھا ہے:

ثم خرج غلام ترکی کان للحسین وکان قاریا للقرآن فجعل یقاتل ویرتجز ویقول البحر من طعنی وضربی یصطلی۔ والجو من سهمی ونبلی یمتلی۔ اذا حسامی فی یمینی ینجلی ینشق قلب الحاسد المبجل۔ فقتل جماعة ثم سقط صریعا۔ فجاء الحسین فبکی ووضع خده علی خده ففتح عینه فرأی الحسینؑ فتبسم ثم صار الی ربه۔

"پھر ایک ترکی غلام میدان میں آیا جو حافظ قرآن تھا، اس نے جنگ کرنا شروع کی اور وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا" سمندر میری نیزہ بازی و

شمشیر زنی سے آگ کی طرح تاپنے کے لائق ہو جائے، اور فضا میرے تیر دل سے پُر ہو جائے۔ جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمک دکھلائے تو دل حاسد کا شگافتہ ہو جائے۔"

اُس نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور پھر گھوڑے سے زمین پر آیا۔ امامؑ لاش پر تشریف لے گئے اور گریاں ہوئے۔ رخسار اپنا غلام کے رخسار پر رکھا۔ غلام نے آنکھیں کھولیں۔ امامؑ کے چہرہ پر نظر پڑی۔ دیکھکر مسکرا دیا اور روح نے جسم سے مفارقت کی۔(۱)

(۱۵)

حضرت اُمّ المومنین۔ اُمّ سلمہ

رضوان اللہ علیہا

بڑی بلند مرتبت معظمہ وازواج رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بعد سب سے زیادہ پاک نہاد اور مقدس بڑے درجہ کی بی بی تھیں۔

عبید نے کتاب القراءۃ میں جو حفاظ صحابہ کی فہرست درج کی ہے اُسمیں مہاجرین میں حضرت ام سلمہ کا بھی شمار کیا ہے۔(۲)

(۱) بحار الانوار۔ ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ (۲) اتقان سیوطی مطبوعہ دہلی ص ۱۰۳

جناب ام سلمہ کو رسالتمآبؐ کے بعد آپ کے اہلبیت یعنی علی بن ابیطالب[ع] اور حسنؑ و حسینؑ سے خاص خصوصیت رہی۔

اُس موقع پر جب ام المومنین عائشہ نے امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ کے خلاف علم جنگ بلند کیا تھا اور آپ کے مقابلہ کے لیے بہ نفس نفیس صف آرائی پر تیار ہو رہی تھیں اور یہ خبر مدینہ میں پہونچی تو ام سلمہ کھڑی ہوئی تھیں اور انھوں نے امیرالمومنینؑ سے کہا تھا کہ

یا امیر المومنین لولا ان	اگر میرے لیے گھر سے نکلنا شرعاً ناجائز نہ ہوتا
اعصی اللّٰہ عزّ وجلّ و	اور مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ اسے کبھی گوارا
انک لا تقبلہ منی لخرجت	نہ کریں گے تو میں خود آپ کے ساتھ
معک وھذا ابنی عمر واللّٰہ	جنگ میں چلتی لیکن مجبور ہوں کہ میرا نکلنا
لھو اعزّ علیّ من نفسی یخرج	شرعی نہیں۔ بہرحال یہ میرا فرزند ہے عمر
معک فیشھد مشاھدک	جسکو میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی

ہوں۔ اسے میں آپ کے ساتھ بھیجتی ہوں اور یہ آپ کی لڑائیوں میں شریک ہوگا"

عمر بن ابی سلمہ برابر امیرالمومنینؑ کے ہمراہ رکاب تھے اور حضرت نے انھیں بحرین کا حاکم بنا دیا جس پر وہ ایک عرصہ تک قائم رہے[1]

حضرت ام سلمہ کے متعلق عام مورخین یہ لکھتے ہیں کہ اُن کا انتقال ۵۹ھ

(۱) تاریخ طبری۔ ج ۵ ص ۱۶۷

سنہ ۶۰ھ میں ہوگیا۔ لیکن معتبر روایات ایسے موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ام سلمہ ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ یعنی روز شہادت امام حسینؑ تک موجود تھیں۔

ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ابن حجر مکی (۱)۔

اخرج البغوی فی معجمہ من حدیث انس ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال استأذن ملک القطر ربہ ان یزورنی فاذن لہ وکان فی یوم امّ سلمۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امّ سلمۃ احفظی علینا الباب لا یدخل احد فبینا ہی علی الباب اذ دخل الحسین فاقتحم فوثب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلثمہ ویقبّلہ فقال لہ الملک اتحبہ قال نعم قال انّ امّتک ستقتلہ وان

انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ فرشتہ باران نے خداوند عالم سے اجازت لی کہ وہ رسالتمآبؐ کی ملاقات کو جائے۔ اجازت ملی اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس دن حضرتؐ ام سلمہ کے یہاں تھے۔ آپنے ام سلمہ سے فرمایا کہ دیکھو دروازہ کا خیال رکھنا کوئی آنے نہ پائے۔ ام سلمہ دروازہ پر کھڑی تھیں کہ حسینؑ آئے اور دوڑ کر رسالتمآبؐ کے پاس پہونچ گئے۔ حضرتؐ نے حسینؑ کو پیار کرنا شروع کر دیا۔ فرشتہ نے کہا آپ اس بچہ کو بہت چاہتے ہیں حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا کہ آپ کی

(۱) مطبوعہ مصر ص ۱۱۸

شئت اریتك المكان الذی
یقتل به فارأه فجاء بسهلة
او تراب احمر فاخذته ام سلمة
فجعلته فی ثوبها قال ثابت كنا
نقول انها كربلاء و اخرجه
ایضا ابو حاتم فی صحیحه وروی
احمد نحوه وروی عبد بن
حمید و ابن احمد نحوه ایضا
لكن فیه ان الملك جبریل
فان صح فهما واقعتان وزاد
الثانی ایضا انه صلی الله علیه
وسلم شمها وقال ریح كرب وبلاء
والسهلة بكسر اوله رمل
خشن لیس بالدقاق الناعم
وفی روایة الملا و ابن احمد
فی زیادة المسند قالت
ثم ناولنی كفا من تراب احمر

امت اس کو قتل کرے گی۔ اگر آپ فرمائیے
تو میں وہ جگہ آپ کو دکھاؤں جہاں یہ
قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اُس ملک نے
ایک سرخ مٹی حضرت کی خدمت میں پیش
کی۔ وہ مٹی حضرت سے ام سلمہ نے لے لی۔
اس روایت کو ابو حاتم نے بھی اپنے صحیح
میں درج کیا ہے اور امام احمد بن حنبل
نے بھی ایسی ہی روایت نقل کی ہے نیز عبد
بن حمید اور امام احمد کے صاحبزادہ نے بھی
اسی قسم کی روایت کا تذکرہ کیا ہے لیکن
اُس میں فرشتہ کا نام جبریل بتایا ہے۔ اگر
یہ روایت صحیح ہو تو اسکے معنی یہ ہیں کہ
یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے۔ امام احمد
کے صاحبزادہ نے یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ
حضرت نے اُس مٹی کو سونگھا اور فرمایا
کرب و بلا کی بو آتی ہے۔ ملا علی متقی اور
ابن احمد کی روایت میں ہے کہ ام سلمہ کا

وقال ان هذا من تربة
الارض التي يقتل بها فمتى
صار دما فاعلمي انه قد
قتل قالت ام سلمة فوضعته
في قارورة عندي وكنت
اقول ان يوما يتحول فيه دما
ليوم عظيم وفي رواية فحفظته
فاصبته يوم قتل الحسين
وقد صار دما وفي اخرى
ثم قال يعني جبرئيل الا
اريك تربة مقتله فجاء
بحصيات فجعلهن رسول الله
صلى الله عليه وسلم في
قارورة قالت ام سلمة
فلما كانت ليلة قتل الحسين
سمعت قائلا يقول ؎
ايها القاتلون جهلا حسينا

بیان ہے مجھ کو حضرت نے ایک مٹھی سُرخ
مٹی کی عطا کی اور فرمایا یہ اُس زمین کی
مٹی ہے جہاں میرا فرزند حسین قتل ہوگا
تو جب یہ خون ہو جائے تم سمجھنا کہ میرا
فرزند قتل ہوگیا۔ ام سلمہ کا بیان ہے کہ
میں نے اُس مٹی کو ایک شیشہ میں رکھ چھوڑا
اور میں کہا کرتی تھی کہ جس دن یہ مٹی خون
ہو جائے گی وہ بہت بڑا دن ہوگا۔ ایک اور
روایت میں ہے کہ جبرئیل نے کہا میں
آپ کو قتلگاہ کی مٹی دکھلاؤں۔ چنانچہ
اُنھوں نے کچھ سنگریزے رسولؐ کو دیے
رسالتمآبؐ نے اُن کو ایک شیشہ میں رکھا۔
ام سلمہ کا بیان ہے کہ جس رات کی صبح کو
حسینؑ قتل ہونے والے تھے میں نے
کسی شخص کو کہتے سُنا۔
اے حسینؑ کے قتل کرنے والو اپنی جہالت کی
وجہ سے۔ تم کو مژدہ ہو عذاب و ذلت

ابشروا بالعذاب والتذليل	ابدی کا تم پر تو لعنت ہو چکی ہے سلیمان
قد لعنتم علی لسان ابن داؤد	بن داؤد اور موسیٰ اور صاحب انجیل
وموسیٰ وحامل الانجیل	حضرت عیسیٰ کی زبان سے۔
قالت فبکیت وفتحت القارورة	حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں رونے
فاذا الحصیات قد جرت دما	لگی اور میں نے شیشہ کھول کر دیکھا

تو معلوم ہوا کہ سنگریزوں سے خون بہہ رہا ہے۔

اس کے بعد صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔

اخرج الترمذی ان ام سلمة	حافظ ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت
رأت النبی صلی اللہ علیه	ام سلمہ نے جناب رسالتمآبؐ کو خواب
وسلم باکیا وبراسه ولحیته	میں دیکھا روتے ہوئے اس حالی میں کہ
التراب فسئلته فقال قتل	حضرت کے سر و ریش پر خاک پڑی ہوئی
الحسین انفا۔	ہے جناب ام سلمہ نے دریافت کیا حضرتؐ

نے فرمایا کہ ابھی ابھی حسین قتل ہوئے ہیں۔

ان تمام روایات سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ روز عاشورہ تک موجود تھیں

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں اس قسم کی بہت روایتیں نقل کی ہیں۔ (۱)

حضرت سید الشہداء کی مدینہ سے روانگی کے موقع پر بھی ایک روایت ہے

(۱) بحار۔ ج۔ ۱۰ ص ۱۵۲ مطبوعہ طہران۔

جس میں حضرت ام سلمہ کا آنا اور سید الشہداء سے رخصت ہونا اور اُس مٹی کا تذکرہ کرنا جو رسالتمآبؐ نے اُن کو دی تھی، اور سید الشہداء کا بھی باعجاز امامت ایک مٹھی خاک اپنی قتلگاہ کی اُن معظمہ کے سپرد کرنا اور یہ کہنا کہ جب یہ خاک اور وہ جو نانا نے دی تھی دونوں خون ہوجائیں تو سمجھیے گا کہ میں قتل ہوگیا" یہ تمام امور مذکور ہیں۔(۱)

لیکن اس کے بعد ہمارے حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ روز عاشورہ کے بعد امام زین العابدینؑ اور اہلِ حرم کی مدینہ میں واپسی کے موقع پر اور اس کے بعد کوئی تذکرہ حضرت ام سلمہ کا نظر نہیں آتا۔

یہ امر قیاس سے بہت بعید ہے کہ اس موقع پر حضرت ام سلمہ موجود ہوتیں اور وہ حضرت زینب و ام کلثوم وغیرہ کے واپسی مدینہ کے موقع پر ملاقات کے لیے نہ آتیں اور اُن کا کوئی تذکرہ نظر نہ آتا۔

اس مشکل کا حل اُس وقت ہوتا ہے جب ہم حیوٰۃ الحیوان دمیری(۲) میں یہ دیکھتے ہیں۔

قیل توفیت سنۃ احدیٰ وستین فی یوم عاشوراء وھو الیوم الذی قتل فیہ الحسین	ایک قول یہ ہے کہ جناب ام سلمہ نے سنہ ۶۱ھ میں دسویں محرم کو انتقال کیا اور یہی وہ دن تھا جس میں حسین بن علیؑ کی

(۱) بحار جلد ۱۰ ص ۱۰۳-۱۰۴ (۲) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۰۳ - ۱۰۴

رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہادت ہوئی تھی۔

تمام روایات کو ملانے سے انسانی ضمیر یہی فیصلہ کرے گا کہ جناب ام سلمہ حضرت سید الشہدا کی شہادت کو معلوم کر کے اس مصیبت کی تاب لا سکیں اور آپ کی روح نے اسی روز جسم سے مفارقت کی۔

ہم نے اس موقع پر روایات کے نقل کرنے میں ذرا غیر معمولی تفصیل سے کام لیا اس لیے کہ یہ حقیقت عام کتب مقاتل اور تواریخ کے مصنفین پر مخفی رہی ہے اور کسی واعظ و ذاکر کو بھی جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُسکی طرف توجہ کا موقع نہیں ہوا ہے۔ واللہ العالم بحقیقۃ الحال۔

(۱۶)

ترجمان القرآن عبد اللہ بن العباس

رضوان اللہ علیہ

ذہبی نے طبقات القراء میں ابی بن کعب کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے۔

قد قرأ علی ابی جماعۃ من الصحابۃ منھم ابن عباس۔

ابی بن کعب سے بہت سے صحابہ نے حفظ قرآن کیا جن میں سے ابن عباس ہیں۔

علامۃ الدہر سید حسن صدر اپنی گراں قدر کتاب بہ تاسیس الشیعۃ الکرام لفنون الاسلام میں ابن عباس کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

من شیوخ القرآء المرجوع الیھم فی القراءۃ اخذ القراءۃ عن امیر المومنین و ابی بن کعب۔

بڑے حفاظ قرآن میں سے تھے جنکی طرف قرارت قرآن میں رجوع کی جاتی تھی انھوں نے قرآن کی تعلیم امیر المومنینؑ اور ابی بن کعب سے حاصل کی تھی۔

ابن عبد البر نے استیعاب[1] میں لکھا ہے۔

روینا من وجہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال۔ توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابن عشر سنین وقد قرأت المحکم یعنی المفصل

سعید بن جبیر کی روایت ہے ابن عباس سے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات ہوئی ہے تو میری عمر ۱۰ سال کی تھی میں نے اُس وقت تک سور مفصل کو حفظ کیا تھا۔

ممکن ہے کہ یہ سورے بھی آپ نے جناب امیرؑ سے حفظ کیے ہوں اور پھر بقیہ قرآن ابی بن کعب سے یاد کیا ہو۔

سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم[2] میں لکھا ہے۔

اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ من روایۃ یونس بن بکیر۔ حدثنا ابو حمزۃ الثمالی عن

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو صالح کی روایت درج کی ہے کہ میں نے ابن عباس کی علمی صحبت کا ایسا واقعہ دیکھا ہے کہ

---

(۱) برحاشیہ اصابہ ج ۲ ص ۳۵۰ (۲) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۰۱

ابی صالح قال لقد رأیت
من ابن عباس مجلسا لو انّ
جمیع قریش فخرت به لكان
لها فخرا لقد رأیت الناس
اجتمعوا حتی ضاق بهم
الطریق فما كان احد یقدر
علی ان یجیئ ولا یذهب
قال فدخلت علیه فاخبرته
بمكانهم علی بابه فقال
ضع لی وضوء قال فتوضأ
وجلس وقال اخرج فقل لهم
من كان یرید ان یسأل
عن القرآن وحروفه فلیدخل
فخرجت فاذنتهم فدخلوا
حتی ملأوا البیت والحجرة
فما سألوه عن شیئ الا
اخبرهم عنه وزادهم

جس پر تمام قریش اگر ناز کریں تو بجا ہے۔
میں نے دیکھا دروازہ پر اتنے لوگ (مختلف
مسائل کے تحقیقات کرنے والے) جمع ہوئے
کہ راستہ بند ہوگیا۔ نہ ادھر کا کوئی آدمی
ادھر جاسکتا نہ ادھر کا ادھر آسکتا تھا، میں
اندر گیا اور میں نے ابن عباس کو
اطلاع دی کہ اتنے لوگوں کا مجمع ہے
انھوں نے وضو کیا اور اپنی جگہ پر آکے
بیٹھے کہا کہ باہر جاؤ اور کہو کہ جو لوگ
الفاظ قرآن اور اس کے حروف کے
متعلق سوال کرنا چاہتے ہوں وہ اندر
آئیں، میں گیا اور میں نے ان لوگوں کو
اندر آنے کی اجازت دی اور وہ لوگ
اندر آئے یہاں تک کہ تمام گھر مملو ہوگیا
انھوں نے اپنے اپنے مسئلے دریافت
کیے اور ابن عباس نے جو کچھ انھوں نے پوچھا
وہ بتایا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔

ثم قال اخوانکم فخرجوا ثم قال	پھر انھوں نے کہا اب اپنے دوسرے
اخرج فقل من اراد ان	بھائیوں کو موقع دو۔ وہ لوگ اُٹھے
یسأل عن تفسیر القرآن	اور باہر گئے۔ ابن عباس نے مجھ سے کہا
وتاویلہ فلیدخل قال	جاؤ اور کہو کہ جو لوگ تفسیر قرآن اور
فخرجت فاذنتھم فدخلوا	تاویل کے متعلق سوالات کرنا چاہتے
حتی ملاؤا البیت والحجرۃ	ہوں وہ اندر آئیں۔ میں گیا اور میں نے
فما سئلوہ عن شیٔ الا	کہا۔ وہ لوگ اندر آئے اور اتنے کہ گھر
اخبرھم بہ وزادھم ثم	پورا مملو ہو گیا۔ انھوں نے بھی جو کچھ
قال اخوانکم فخرجوا۔	سوالات کیے اُن کا ابن عباس نے

جواب دیا بلکہ اُس سے زیادہ بتلا دیا۔ پھر کہا اپنے دوسرے بھائیوں کا خیال کرو۔ وہ لوگ اُٹھے اور باہر گئے (اسی طرح مختلف علوم و فنون کی تحقیقات کرنے والے اندر آئے اور اپنے سوالات سے کچھ زیادہ جواب سُنکر باہر گئے)

اس روایت میں پہلے جن لوگوں کا تذکرہ ہے کہ انھوں نے اپنے مشکلات ابن عباس سے حل کرائے وہ حفاظ قرآن ہی ہیں۔

ابن عباس امیر المومنینؑ کے مخصوص شخص اور مستند شیعہ تھے۔ رجال کشی میں بعض ضعیف السند روایات جو ان کی مذمت کے متعلق ہیں اُن کو علماء نے صحیح تسلیم نہیں کیا ہے۔

عام اسلامی کتب بھی ایسے شواہد سے مملو ہیں جن سے مجموعی حیثیت سے حضرت ابن عباس کی شیعیت کا ناقابل انکار ثبوت ملتا ہے۔

استیعاب[۱] میں ہے

شهد عبد الله بن عباس مع علیؑ الجمل وصفین و النهروان۔

عبد اللہ بن عباس حضرت علیؑ کے ساتھ جمل۔ صفین۔ نہروان تینوں لڑائیوں میں شریک ہوئے۔

صحیح بخاری[۲] "باب قول المریض قوموا عنی" میں ہے۔

عن عبید الله بن عبد الله عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال النبی صلی الله علیه وسلم هلمّ اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده فقال عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قد غلب علیه الوجع

حضرت ابن عباس نے کہا کہ جب رسالتمآبؐ کے احتضار کا عالم تھا اور اس وقت گھر میں بہت سے لوگ تھے جن میں عمر بن الخطاب بھی تھے تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آؤ میں تم لوگوں کے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ عمر نے کہا کہ رسالتمآبؐ کے اوپر اس وقت مرض کا غلبہ ہے۔ قرآن تمھارے پاس موجود ہے اور ہمارے لیے بس خدا کی کتاب

(۱) بر حاشیہ اصابہ۔ ج ۲ ص ۳۵۷ (۲) مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی نصف دوم ص ۸۴۶

وعندکم القرآن حسبنا	کافی ہے۔ گھر والوں میں اُس وقت
کتاب اللہ فاختلف اھل البیت	اختلاف ہوا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ
فاختصموا منھم من یقول	قلم دوات دینا چاہیے کہ رسالتمآب علیہ السلام
قربوا یکتب لکم النبی صلی اللہ	تحریر لکھ دیں جس کے بعد گمراہی سے
علیہ وسلم کتابا لن تضلوا	محفوظ ہو جائیں۔ کچھ لوگ وہ کہتے تھے
بعدہ ومنھم من یقول	کہ جو عمر نے کہا تھا۔ جب شور ہوا اور
ما قال عمر فلما اکثروا اللغو	جھگڑا ہونے لگا تو رسالتمآب ص
والاختلاف عند النبی صلی اللہ	نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ
علیہ وسلم قال رسول اللہ	ابن عباس کہتے تھے کہ مصیبت
صلی اللہ علیہ وسلم قوموا	سب سے بڑی وہی تھی کہ رسالتمآب علیہ السلام
قال عبید اللہ فکان ابن عباس	کو وہ تحریر لکھنے کا موقع نہ ملا جو آپ
یقول ان الرزیۃ کل الرزیۃ	لکھنا چاہتے تھے۔

ما حال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین ان
یکتب لھم ذلک الکتاب من اختلافھم ولغطھم۔

کمال الدین دمیری نے حیوۃ الحیوان[1] میں شفاء الصدور ابن سبع
سبتی کے حوالہ سے علی بن عبداللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ میں

(۱) مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۲۵

ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ تھا مکہ معظمہ میں اُس وقت جب اُن کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی ہے۔ ہمارا گذر ہوا ایک جماعت کی طرف سے جو زمزم کے کنارے بیٹھی ہوئی علی ابن ابیطالبؑ کو بُرا کہہ رہی تھی۔ عبداللہ بن عباس نے اپنے شاگرد سعید بن جبیر سے جو آپ کا ہاتھ پکڑ کے لیجاتے تھے، کہا کہ ذرا مجھے ان کی طرف واپس کرو۔ سعید انھیں پلٹا کے اُس مجمع کے پاس لائے

ابن عباس نے کہا - ایکم الساب للہ ولرسولہ "تم میں سے کون شخص خدا اور رسولؐ کو گالیاں دے رہا تھا" اُن لوگوں نے کہا سُبحان اللہ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے خدا اور رسولؐ کو بُرا کہا ہو" ابن عباس نے کہا " ایکم السّاب لعلی ، " تم میں سے حضرت علیؑ کو بُرا کہنے والا کون ہے "

اُن لوگوں نے کہا ہاں (اتنا تو ہوا تھا" ابن عباس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالتمآبؐ کو فرماتے سُنا ہے۔ من سبّ علیا فقد سبنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سب اللہ کبّہ اللہ علی منخریہ فی النّار۔

"جو شخص علیؑ کو بُرا کہے اُس نے مجھے بُرا کہا اور جس نے مجھے بُرا کہا اس نے خدا کو بُرا کہا اور جس نے خدا کو بُرا کہا خدا اُس کو اوندھے منھ آگ میں ڈال دے گا۔

ابن عباس نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال کیا۔
حضرت محمد بن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھی اور کہا۔ الیوم مات ربانی هذہ الامۃ "آج اس امت کا سب سے زیادہ خدا شناس آدمی دنیا سے اٹھا۔"

(۱۷)

ابوالاسود دوئلی

حضرت علیؑ کے مخصوص شاگرد اور مستند حافظ قرآن تھے۔ قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی خدمت انھوں نے ہی انجام دی ہے جو آج مسلمانوں کے لیے سرمایۂ حفظ و قرات ہے۔
نقیب السادۃ المصریہ سید محمد علی ببلاوی نے کتاب "التعریف بالنبی والقرآن والشریف" (۱) میں لکھا ہے۔

لما دخل غیر العرب فی الاسلام من الفرس وغیرهم ونشأ اللحن علی الالسنۃ خیف علی القرآن ان یلحن	جب غیر عرب دوسرے اقوام جیسے ایرانی وغیرہ اسلام میں داخل ہوئے اور عربی بات چیت میں غلطیاں ہونے لگیں تو خوف پیدا ہوا کہ قرآن کی تلاوت

(۱) مطبوعہ مصر ص۱۹

فی قرائتہ فطلب زیاد بن ابیہ
وکان امیر العراق الی ابی الاسود
الدؤلی وھو من کبار التابعین
المتقنین للقراءۃ ان یضع
للناس علامات تضبط
قراءتھم فشکل اواخر الکلمات
من المصحف الشریف و
جعل الفتحۃ نقطۃ فوق الحرف
والکسرۃ نقطۃ تحتہ والضمۃ
نقطۃ الی جانبہ وجعل
علامۃ الحرف المنون نقطتین

میں بھی غلطیاں کی جائیں، اس کے لیے
زیاد بن ابیہ نے جو عراق کا حاکم تھا ابو الاسود
سے جو بڑے تابعی اور بہت اچھے حافظ
تھے، یہ خواہش کی کہ وہ کچھ علامتیں
قرآن میں مقرر کر دیں جس سے قرارت میں
آسانی ہو جائے انھوں نے مصحف میں
ہر کلمہ کے آخر میں اعراب لگا دیے، انھوں نے
فتحہ کی علامت قرار دی ایک نقطہ جو حرف
کے اوپر ہو اور کسرہ کی علامت ایک
نقطہ حرف کے نیچے اور ضمہ کی علامت ایک
نقطہ حرف کے پہلو میں اور تنوین کی علامت
دو نقطے حرف کے اوپر۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ[۱] میں لکھتے ہیں۔

قال ابن سعد استخلفہ
ابن عباس علی البصرۃ فاقرہ
علیؓ وعن ابی العباس المبرد

ابن عباس نے بصرہ میں ان کو اپنا قائم مقام
بنایا اور حضرت علیؓ نے برقرار رکھا۔
ابو العباس مبرد نے کہا ہے کہ سب سے پہلے

(۱) مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۴۲

قال اوّل من وضع العربیّۃ	جس نے علم نحو کی ایجاد کی اور قرآن میں نقطے
ونقط المصاحف ابو الاسود	لگائے وہ ابو الاسود تھے اور ابو الاسود سے
وقد سئل ابو الاسود عمّن	خود دریافت کیا گیا کہ اُن کو یہ راستہ کس نے
نھج لہ الطریق فقال تلقیتہ	بتایا؟ تو انھوں نے کہا میں نے اس کو
عن علی بن ابیطالب ۔	علی بن ابیطالبؑ سے حاصل کیا۔

ان کا تشیع محتاج اثبات نہیں ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ"[1] میں لکھا ہے۔

کان من سادات التابعین	یہ بڑے درجہ کے تابعی سب سے زیادہ
ومن اکمل الرجال رأیا واسدھم	صائب الرائے عقلمند شیعہ۔ شاعر۔
عقلا شیعیّا شاعرا سریع الجواب	حاضر جواب۔ روایت حدیث میں ثقہ
ثقۃ فی حدیثہ وصحب علیّ	تھے۔ علی بن ابیطالبؑ کی صحبت میں رہے
بن ابیطالب وشھد معہ	اور آپ کے ساتھ جنگ صفین میں
صفین ۔	شریک ہوئے۔

حافظ عسقلانی[2] نے لکھا ہے۔

قال المرزبانی ھاجر ابو الاسود	مرزبانی نے کہا ہے کہ ابو الاسود حضرت عمر
الی البصرۃ فی خلافۃ عمر وولّاہ	کے زمانہ میں بصرہ کی طرف ہجرت

(۱) مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۴ (۲) اصابہ۔ ج ۲ صفحہ ۲۴۲

علی البصرۃ خلافۃ لابن عبّاس وکان علوی المذھب	کر گئے تھے اور حضرت علی نے انکو ابن عباس کی قائم مقامی میں بصرہ کا حاکم بنایا اور یہ علوی مذہب رکھتے تھے۔

نیز جاحظ کا قول نقل کیا ہے۔

(ابو الاسود معدود فی طبقات من الناس مھو فی کلھا مقدم کان معدودا فی التابعین والفقھاء والشعراء والمحدثین والاشراف والفرسان والامراء والدھاۃ والحاضری الجواب والشیعۃ	ابو الاسود بہت سے طبقوں میں محسوب ہیں اور وہ ہر طبقہ میں اوّل درجہ رکھتے ہیں۔ وہ تابعین میں محسوب تھے فقہاء میں شعراء میں محدثین میں اشراف میں شہسواروں میں حکام میں۔ عقلمندوں میں۔ حاضر جوابوں میں۔ اور شیعوں میں۔

دمیری نے لکھا ہے کہ "ابو الاسود سے پوچھا گیا" امیر معاویہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے؟"

ابو الاسود نے کہا "ہاں مگر اُس طرف سے" (۱)

ابو الاسود کی وفات ۶۹ھ میں ہوئی ہے۔

---

(۱) حیوٰۃ الحیوان۔ ج ۱ صفحہ ۳۰

(۱۸)

ابو عبدالرحمن سلمیٰ

اصلی نام عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ تھا، بڑے درجہ کے تابعی اور امیرالمومنین حضرت علیؑ کے مخصوص صحابی تھے اور حفاظ قرآن میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔

عاصم جو قراء سبعہ میں محسوب ہیں وہ انہی کے شاگرد تھے اور انھوں نے قرآن امیرالمومنینؑ کو سنایا تھا۔

ملاحظہ ہو صواعق محرقہ[1] علامہ ابن حجر مکی۔

(ان ای علیا) احد من جمع القرآن وعرضہ علی رسول اللہ ﷺ وعرض علیہ ابوالاسود الدؤلی وابو عبد الرحمن السلمی و عبدالرحمن بن ابی لیلی۔

حضرت علیؑ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے قرآن حفظ کر کے رسالتمآبؐ کو سنا دیا اور پھر آپ کو قرآن حفظ کر کے سنایا ابوالاسود دوئلی اور عبدالرحمن سلمی اور عبدالرحمن بن ابی لیلی نے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے[2]۔

اما ابو عبد الرحمن السلمی فالصحیح عنہ

ابو عبدالرحمن سلمی کے متعلق صحیح روایت یہ

(۱) مطبوعہ مصر صفحہ ۷۶ (۲) استیعاب مطبوعہ حیدرآباد دکن ج ۱ صفحہ ۲۹ و برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۵۹

(انہ کان مع علی رضی اللہ عنہ) کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

ہمارے علماء نے بھی ان کے تشیع کی تصدیق کی ہے۔

علامہ سید حسن صدر دام ظلہ نے کتاب "تاسیس الشیعۃ الکرام لفنون الاسلام" میں لکھا ہے۔

قرأ ابو عبد الرحمٰن السلمی علی امیر المومنینؑ کما فی مجمع البیان وطبقات القراء وفی رجال البرقی فی خواص علی علیہ السلام من مضر ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب السلمی۔

ابو عبد الرحمٰن نے حفظ قرآن امیر المومنینؑ سے کیا ہے، جیسا کہ مجمع البیان، اور طبقات القراء میں مذکور ہے اور رجال برقی میں ہے کہ قبیلہ مضر میں سے امیر المومنینؑ کے مخصوصین میں سے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب سلمی تھے۔

انھوں نے ۷۰ھ کے بعد انتقال کیا ہے۔

(۱۹)

ابو زید ثابت بن زید انصاری

ابن عبد البر کی روایت میں ہے کہ قال الخزرجیون منا اربعۃ قرأوا القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یقرأہ غیرھم (قبیلہ خزرج والوں نے کہا کہ ہم میں سے چار آدمی ہیں

جنھوں نے رسالتمآبؐ کے سامنے قرآن حفظ کیا، اور ان کے سوا کسی نے (قبیلہ اوس) میں سے قرآن حفظ نہ کیا تھا" ان چار میں ابو زید کا نام ہے۔(۱) شعبی کی روایت میں جو چھ آدمیوں کا ذکر ہے ان میں بھی ابو زید کا نام ہے(۲) یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ یہ ابو زید کون ہیں جنھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا؟ انھوں نے کہا ثابت بن زید(۳)

علامہ علی طاب ثراہ نے خلاصۃ الرجال میں ان کو قسم اوّل یعنی ممدوحین میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔ ھو احد الستۃ الذین جمعوا القرآن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ ان چھ آدمیوں میں سے ہیں جنھوں نے رسالتمآبؐ کے زمانہ میں حفظ قرآن کیا تھا۔ ان کی وفات کا زمانہ صحیح طور سے معلوم نہیں۔

(۲۰)

عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعیؓ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا صحابہ کے ذیل میں تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ۔

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۸۲ (۲) اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶۳
(۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۰۳

خلیفہ بن خیاط۔ یعقوب بن سفیان۔ بخاری۔ ترمذی اور بہت سے لوگوں نے ان کو صحابہ میں داخل کیا ہے۔ ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ رسالتمآبؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور حضرت کے پیچھے نماز پڑھی۔ ابن سعد اور ابن داؤد نے سند حسن سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسالتمآبؐ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ ابن سکن کا قول ہے کہ ان کو رسالتمآبؐ نے خراسان کا حاکم بنایا تھا۔

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ خود ان کی روایت ہے۔

شهدنا مع علی ممن بایع بیعة الرضوان تحت الشجرة ثمانمائة نفس بصفین فقتل منا ثلثمائة وستون نفسا۔

ہم لوگ یعنی وہ کہ جو شجرہ کے نیچے رسالتمآبؐ سے بیعت الرضوان کیے ہوئے تھے آٹھ سو (۸۰۰) کی تعداد میں علی ابن ابیطالبؑ کے ساتھ صفین میں شریک جنگ ہوئے تھے جن میں سے ۳۶۰ آدمی قتل ہو گئے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے نافع بن عبد الحارث خزاعی سے (جو بظاہر مکہ معظمہ کے اصلی حاکم تھے، اور اس موقع پر عارضی طور سے مدینہ آئے ہوئے تھے) پوچھا کہ تم نے مکہ میں کس کو حاکم بنایا ہے؟ انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن ابزیٰ کو۔

حضرت عمر نے کہا تم نے ایک غلام کو حاکم بنایا؟ نافع نے کہا۔ (اللہ قاری

لکتاب اللہ عالم بالفرائض۔

"مگر وہ حافظ قرآن اور فرائض و احکام کا عالم ہے۔"

ابو یعلیٰ نے ایک دوسرے طریق سے اس روایت کو جو لکھا ہے، اسمیں ہے۔ (فی) وجدتہ اقرأھم لکتاب اللہ وافقھھم فی دین اللہ۔

"میں نے اس کو سب سے زیادہ کتاب الٰہی کا حافظ اور مذہبی مسائل میں فقیہ پایا۔"

جنگ صفین کے بعد سے عبدالرحمٰن کوفہ میں قیام پذیر رہے۔[1]

(۲۱)

عبید بن نضلہ خزاعی

ذہبی نے طبقات القراء میں اُن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے ابی بن کعب سے قرآن حفظ کیا۔ پھر لکھا ہے کہ واخذ عنھم خلق من التابعین۔ "ان صحابہ سے پھر بہت سے تابعین نے قرآن یاد کیا" اس کے بعد ان لوگوں کی فہرست درج کرتے ہوئے، اُن لوگوں میں سے جو کوفہ میں مقیم تھے عبید بن نضلہ کا نام لکھا ہے۔[2]

شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسی نے کتاب الرجال میں عبید کا تذکرہ

(۱) اصابہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۸۹ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۰۴

اُن لوگوں میں کیا ہے جو امیر المومنینؑ سے روایت حدیث کرتے ہیں اور لکھا ہے۔

قیل للاعمش علی من قرأت قال علی یحیی بن وثاب ویحیی قرأ علی عبید بن نضلة۔ کان یقرأ کل یوم آیة ففرغ من القرآن فی سبع واربعین سنة۔

اعمش سے پوچھا گیا کہ تم نے قرآن کس سے حفظ کیا؟ انھوں نے کہا یحییٰ بن وثاب سے اور یحییٰ نے عبید بن نضلہ سے روزانہ ایک آیت حفظ کرتے تھے یہاں تک کہ پورا قرآن ۴۷ برس میں حفظ کیا۔

(۲۲)

زاذان ابوعمر فارسی کندی

ایرانی نژاد، قبیلۂ کندہ کے رہنے والے تھے، اس لیے فارسی اور کندی کہلاتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب"[۱] میں لکھا ہے۔

صدوق یرسل وفیہ شیعیة

راستگو ہیں۔ اکثر روایات بغیر حوالہ نقل کرتے ہیں اور اُنمیں تشیع پایا جاتا ہے۔

---

(۱) مطبوعہ دہلی ص ۸۰

علامہ حلیؒ نے خلاصہ[1] میں امیر المومنینؑ کے مخصوصین میں شمار کیا ہے۔
شیخ ابو علی حائری کتاب منتہی المقال میں کتاب خرائج وجرائح سے
روایت کرتے ہیں۔

روی سعد الخفاف عن
زاذان ابی عمرو قال قلت
له یا زاذان انک لتقرأ القرآن
فتحسن قرائته فعلیٰ من
قرأت فتبسم ثم قال ان
امیر المومنین مرّ بی وانا
انشد الشعر وکان لی
خلق حسن فاعجبه صوتی
فقال یا زاذان فهلّا بالقرآن
قلت یا امیر المومنین
فکیف لی بالقرآن فوالله
ما اقرأ منه الا بقدر ما
اصلی به قال فادن منی

سعد خفاف کا بیان ہے کہ میں نے
زاذان سے کہا تم قرآن پڑھتے ہو اور
خوب پڑھتے مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اسے حفظ
کس سے کیا؟ زاذان یہ سنکر مسکرائے
اور کہا سنو! امیر المومنینؑ ایک مرتبہ
میری طرف سے گذرے جبکہ میں شعر
پڑھ رہا تھا اور میری آواز
قدرۃً بہت اچھی تھی حضرت امیرؑ کو
میری آواز بہت پسند آئی اور فرمایا
کہ زاذان یہ آواز قرآن میں صرف
نہ ہوئی۔ میں نے کہا یا امیر المومنین
میں قرآن کیسے پڑھوں۔ مجھے تو وہ
اتنا ہی یاد ہے جتنا نماز میں ضرورت ہوتی ہے

(۱) مطبوعہ ایران ص۹۳ -

فقد نوت منه فتكلم في اذني
بكلام ما عرفته ولا علمت
ما يقول ثم قال افتح فاك
فتفل في فيّ فوالله ما زالت
قدمي من عنده حتى حفظت
القرآن باعرابه وهمزه وما
احتجت ان اسأل عنا احدا
بعد موقفي ذلك قال سعد
فقصصت قصة زاذان
على ابي جعفرؑ قال صدق
زاذان ان امير المومنين
دعا لزاذان بالاسم الاعظم
الذي لا يرد۔

حضرت نے فرمایا میرے قریب آؤ
میں حضرت کے قریب گیا تو حضرت نے
میرے کان میں کچھ کہا جو میں سمجھا نہیں
پھر فرمایا کہ منہ اپنا کھولو میں نے منہ
کھولا تو حضرت نے اپنا لعاب دہن میرے
منہ میں ڈال دیا۔ خدا کی قسم میرا پاؤں
اُس جگہ سے ہٹا نہیں جب تک کہ قرآن
مجھ کو اعراب اور ہمزوں کے ساتھ یاد
نہ ہو گیا اور میں نے پھر کسی مسئلہ میں کسی
شخص کی طرف رجوع کی ضرورت
محسوس نہیں کی۔ سعد خفاف کا بیان
ہے کہ میں نے زاذان کے واقعہ کا
تذکرہ امام محمد باقرؑ سے کیا۔ آپ نے فرمایا
کہ زاذان نے سچ کہا۔ امیر المومنینؑ نے اُن کے لیے اسم اعظم کے توسط سے دعا کی تھی۔

زاذان نے ۸۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہی۔



(۲۳)

زر بن حبیش اسدی

ابومریم اور بقولے ابومطرف کنیت ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی پیدائش تھی مگر رسالتمآب کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے اسلیئے تابعین میں محسوب ہوا

ابن عبدالبر نے لکھا ہے

کان عالما بالقرآن قاریا فاضلا۔ "یہ قرآن مجید کے عالم اور حافظ فاضل شخص تھے" (۱)

ذہبی نے طبقات القراء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جو تابعی تھے اور صحابہ سے حفظ قرآن کیا، کوفہ کے رہنے والوں میں سے زر بن حبیش تھے۔ (۲)

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ (۳)

قال عاصم کان من اعرب الناس وکان ابن مسعود یسألہ عن العربیۃ وقال ایضا کان ابو وائل عثمانیا وزر علویا وکان مصلاھما فی مسجد واحد۔

(۱) استیعاب برحاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۸۸ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی ص ۱۰۱ (۳) اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۶۶

"عاصم نے کہا ہے کہ زر بن حبیش علم نحو کے بہترین عالم تھے اور ابن مسعود ان سے علم نحو کے مشکل مسائل پوچھا کرتے تھے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ابووائل عثمانی شخص تھے اور زر حضرت علیؑ کے طرفدار تھے۔ اور یہ دونوں آدمی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔"

زر بن حبیش نے ۸۳ھ میں انتقال کیا

(۴۲)

عبدالرحمن بن ابی لیلی انصاری

فقہائے زمانہ میں محسوب تھے۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ[1] میں حضرت علیؑ کے متعلق لکھا ہے۔

انہ احد من جمع القرآن	آپ ایک وہ شخص ہیں جنھوں نے
وعرضہ علی رسول اللہ	قرآن حفظ کرکے رسالتمآبؐ کو سنایا
صلی اللہ علیہ وسلم	اور پھر آپ کو قرآن حفظ کرکے سنایا
وعرض علیہ ابوالاسود	ابوالاسود دوئلی نے اور ابوعبدالرحمن
الدؤلی وابوعبدالرحمن السلمی	سلمی اور عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ
وعبدالرحمن بن ابی لیلی	نے

(۱) مطبوعہ مصر صفحہ ۷۴

علامہ حلیؒ نے خلاصہ میں لکھا ہے۔ "هو من اصحاب علیؑ شهد معه ضربه الحجاج حتی اسود کتفاه علی سب علیؑ" آپ امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ہیں اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے زمانۂ حکومت میں آپ کو بید لگوائے یہاں تک کہ آپ کے دونوں شانے سیاہ ہو گئے، اس بات پر کہ امیر المومنین کو برا کہیں۔"

آپ کا انتقال بھی ۸۳ھ میں ہوا ہے۔

(۲۵)

سعید بن مسیّب قرشی

اپنے زمانہ کے بڑے فقہاء اور حفاظ قرآن میں سے، بلکہ مدینہ میں امام القراء کی حیثیت رکھتے تھے۔

ولادت ان کی بزمانہ حضرت عمر یعنی ۱۶ھ کے حدود میں ہوئی اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ "رباه امیر المومنین" یعنی امیر المومنین حضرت علیؑ نے ان کی تربیت کی۔" علامہ سید حسن صدر لکھتے ہیں:۔

وصحبه ولم يفارقه وشهد معه حروبه۔ امیر المومنینؑ ہی

کی صحبت میں رہے اور جد انہیں ہوئے، اور حضرت کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوئے"

عمر کا آخری حصہ امام زین العابدینؑ کے ساتھ گذارا اور حضرت ہی کے اصحاب میں محسوب ہوئے۔ بلکہ امام موسیٰ کاظمؑ کی حدیث میں جو کتاب الاختصاص سے منقول ہے، اُن کا امام زین العابدینؑ کے مخالص حوارین میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔(۱)

برنطی کی روایت میں ہے کہ

ذکر عند الرضاؑ القاسم بن محمد خال ابیہ وسعید بن المسیب فقال کانا علی ھذا الامر۔	امام رضاؑ کے سامنے آپ کے جد امجد امام جعفر صادقؑ کے ماموں قاسم بن محمد اور سعید بن المسیب کا تذکرہ ہوا حضرت نے فرمایا وہ دونوں آدمی اسی مذہب پر تھے۔

یہ اُن کے صحیح تشیع پر نص صریح ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مستند روایت موجود نہیں ہے۔

ان کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی ہے۔

(۱) بحار۔ ج ۱۱ ص ۴۲

(۲۶)

سعید بن جبیر اسدی کوفی

اعلم التابعین مشہور تھے۔ کتاب التعریف بالمبنی والقرآن الشریف[1] میں ہے۔

کان یقرأ القرآن علیٰ حرفین "یہ قرآن کو دو قرارتوں کے مطابق حفظ کیے ہوئے تھے۔"

ذہبی نے طبقات القرأ میں لکھا ہے کہ ابی بن کعب سے بہت لوگوں نے صحابہ میں سے حفظ قرآن کیا۔ پھر اُن سے بہت سے تابعین نے جنہیں سے کوفہ کے رہنے والوں میں سے سعید بن جبیر ہیں[2]۔

علامہ سید محسن اعرجی نے اپنی کتاب الرجال میں لکھا ہے کہ

قرأ القرآن فی رکعۃ فی البیت الحرام "سعید بن جبیر نے ایک مرتبہ پورا قرآن ایک رکعت میں ختم کیا۔"

سعید امام زین العابدینؑ کے مخلص صحابی تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے۔

ما کان سبب قتل الحجاج لہ الا علیٰ ھذا الامر وکان مستقیما

(۱) مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶ (۲) اتقان مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۴

"حجاج کے قتل کرنے کا سبب ان کو یہی تشیع تھا اور وہ ثابت قدم شیعہ تھے"[1]

دمیری نے حیوٰۃ الحیوان[2] میں لکھا ہے

روی عن عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ انہ رأی الحجاج فی المنام بعد موتہ وھو جیفۃ منتنۃ فقال لہ ما فعل اللہ بک قال قتلنی بکل قتیل قتلتہ قتلۃ واحدۃ الا سعید بن جبیر فانہ قتلنی بہ سبعین قتلۃ	عمر بن عبد العزیز خلیفۂ اموی نے حجاج کو خواب میں دیکھا اُسکے مرنے کے بعد، اس حالت میں کہ وہ بدبو دار مردہ کی صورت ہے انھوں نے اُس سے پوچھا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اُس نے کہا کہ خدا نے مجھ کو ہر مقتول کے عوض میں جس کو میں نے قتل کیا تھا ایک ایک دفعہ قتل کیا۔

لیکن سعید بن جبیر اُن کے بدلے میں مجھ کو ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔"

اسکے بعد علامہ دمیری لکھتے ہیں۔

فان قیل ما الحکمۃ فی ان اللہ تعالیٰ قتل الحجاج بکل قتیل قتلہ قتلۃ واحدۃ	اگر کہا جائے کہ اس میں کیا بات ہے کہ خدا نے حجاج کو ہر اُس شخص کے بدلے میں جس کو اُس نے قتل کیا تھا ایکمرتبہ

(۱) خلاصۃ الرجال مطبوعہ ایران ص ۳۹ (۲) مطبوعہ مصر ج ا ص ۱۷۹

الا سعید بن جبیر رحمہ اللہ
تعالیٰ وھو قد قتل عبد اللہ
بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنھما وھو صحابی وسعید
بن جبیر تابعی والصحابی
افضل من التابعی فالجواب
ان الحکمۃ فی ذلک ان الحجاج
لما قتل عبد اللہ بن الزبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنھما کان
لہ نظراء فی العلم کثیرون
کابن عمر وانس بن مالک
وغیرھما من الصحابۃ
ولما قتل سعید بن جبیر
لم یکن لہ نظیر فی العلم
فی وقتہ وذکر غیر واحد
من المصنفین ان الحسن
البصری رحمہ اللہ لما

قتل کیا اور سعید بن جبیر کے لیے ستر
دفعہ قتل کیا۔ حالانکہ حجاج نے عبد اللہ
بن زبیر کو بھی قتل کیا تھا جو صحابی
تھے اور سعید بن جبیر تابعی تھے اور
صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ حجاج نے
جب عبد اللہ بن زبیر کو قتل کیا ہے
تو علم میں اُن کے مثل بہت سے لوگ
موجود تھے۔ جیسے عبد اللہ بن عمر،
انس بن مالک وغیرہ صحابہ میں
سے۔ لیکن جب سعید بن جبیر کو قتل
کیا ہے تو کوئی نظیر اُن کا موجود نہ تھا
اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب
حضرت حسن بصری کو سعید بن جبیر
کے قتل ہونے کی خبر ہوئی تو انھوں نے
کہا خدا کی قسم سعید بن جبیر دنیا
سے اُٹھے ایسے وقت میں،

بلغہ قتل سعید بن جبیر قال واللہ لقد مات سعید بن جبیر یوم مات واهل الارض من مشرقها الی مغربها محتاجون لعلمہ۔

کہ جب تمام دنیا مشرق سے لے کر مغرب تک اُن کے علم کی محتاج ہے۔ یہ وجہ تھی کہ اُن کے قتل کی وجہ سے حجاج پر عذاب زیادہ ہوا۔

فمن هذا المعنیٰ ضوعف العذاب علی الحجاج بقتلہ۔

سعید بن جبیر کی شہادت شعبان سنہ ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں ہوئی اور اُن کی عمر صرف ۴۹ برس کی تھی۔

یہ وہ حفاظ قرآن ہیں شیعی جماعت میں سے جن کا پتہ پہلی صدی ہجری میں چلتا ہے۔ اور یہ حصہ اس تذکرہ کا اسی مقام پر ختم کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ جسے انشاء اللہ اس صحیفہ کا دوسرا رُخ ہی سمجھنا چاہیے وہ دوسری صدی کے حفاظ کے تذکرہ سے شروع ہوگا جن میں سے اکثر اسی صدی سے متعلق ہیں اس لیے کہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ اسی صدی میں گذرا ہے۔ لیکن چونکہ کتاب کی ترتیب میں ہم نے سال وفات کا اعتبار کیا ہے اسلیے اُن کو ہم دوسری صدی میں درج کرنے پر مجبور ہیں۔ والسلام

علی النقی النقوی۔

۱۶ ج ۲ سنہ ۱۳۵۳ھ

رسالہ "حقائق" لکھنؤ

میں ایک عرصہ سے اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے ہاتھوں میں ایک ماہانہ علمی و تحقیقی رسالہ کا موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے تاکہ ایک طرف اہلبیت علیہم السلام کے معارف و حقائق کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے اور دوسری طرف غیر مسلمین کیطرف سے دین حق پر آئے دن جو حملے ہوتے رہتے ہیں انکا بر وقت دفاع کیا جا سکے چنانچہ ابتک اسکے اسباب دیکھا کرتا رہا اور الحمد للہ اس نتیجہ پر پہونچ گیا ہوں کہ جلد از جلد مجوزہ رسالہ کا اجرا کر دیا جائے جسکا امامیہ مشن سے اس سے زائد تعلق نہ ہوگا کہ اسکے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت اس رسالہ کے ذریعہ سے ہوتی رہیگی مگر مشن پر اسکا کوئی بار یا کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہوگی

افراد قوم میں یہ خبر مسرت کیساتھ سنی جائیگی کہ مجوزہ رسالہ یعنی "حقائق" کا پہلا نمبر ۱۵ شعبان المعظم سنہ ۶۳ھ یوم ولادت امام عصر (عجل اللہ فرجہ) کو شائع ہوگا سائز ۲۰×۲۶/۸ - کاغذ سفید ضخیم چار جزو - چندہ سالانہ چار روپیہ و ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ ہوگا - (نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ کیا جائیگا)

"حقائق" کا پہلا ہی نمبر آپکو یہ بتلا دیگا کہ وہ کیسے کیسے گرانبہا مضامین کا حامل ہوگا امید کہ افراد قوم کثیر تعداد میں اس رسالہ کی خریداری قبول فرمائیں گے

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ

رسالہ "حقائق" لکھنؤ

میں ایک عرصہ سے اس ضرورت کا احساس کر رہا تھا کہ ہمارے ہاتھ میں
اب ماہانہ علمی و تحقیقی رسالہ کا موجود ہونا لازمی اور ضروری ہے تاکہ ایک طرف
اہل بیت علیہم السلام کے معارف و حقائق کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری
رہے اور دوسری طرف غیر مسلمین کیطرف سے دین حق پر آئے دن جو حملے ہوتے
رہتے ہیں اُن کا بروقت دفاع کیا جاسکے۔ چنانچہ ابتک اس کے مبادیات
طے کرتا رہا اور اب بحمد اللہ اس نتیجہ پر پہونچ گیا ہوں کہ جلد از جلد مجوزہ رسالہ کا
اجرا کر دیا جائے جس کا امامیہ مشن سے اتنا زائد تعلق ہوگا کہ اُس کے اغراض
و مقاصد کی نشر و اشاعت اس رسالہ کے ذریعہ سے ہوتی رہے گی مگر مشن پر
اس کا کوئی بار یا کسی قسم کی بھی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

افراد قوم یہ خبر مسرت کے ساتھ سنیں گے کہ مجوزہ رسالہ یعنی "حقائق"
کا پہلا نمبر ۱۵ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۴ھ یوم ولادت امام عصر (عجل اللہ فرجہ) کو شائع
ہوگا۔ سائز ۲۰+۲۶ ۱/۸ کاغذ سفید حجم چار جزو۔ چندہ سالانہ چار روپیہ اور ششماہی
دو روپیہ آٹھ آنہ ہوگا۔ (نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ کیا جائے
گا۔

"حقائق" کا پہلا ہی نمبر آپ کو یہ بتا دے گا کہ وہ کیسے کیسے گرانبہا مضامین
کا حامل ہوگا۔ اُمید ہے کہ افراد قوم کثیر سے کثیر تعداد میں اس رسالہ کی خریداری
قبول فرماویں گے۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ

Mirza Jamal (mahakavi)